مفتی محمد راشد حسین ندوی

سوال جواب

س : مردوں کے لئے مہندی لگانا جائز ہے یا ناجائز؟

ج : مرد کے لئے سر اور داڑھی کے بالوں میں مہندی کا خضاب لگانا جائز ہے، لیکن ہاتھ پیر وغیرہ میں لگانا مکروہ ہے۔ (شامی ۵/۲۹۹)

س : مچھلی کھانا کیسا ہے، حالانکہ اسلام میں میتہ حرام ہے، اگر کھانا جائز ہے تو کیوں جائز ہے؟

ج : مچھلی کھانا جیسا کہ ہر مسلمان جانتا ہے جائز ہے، حدیث شریف میں صاف صاف فرمایا گیا کہ ہمارے لئے دو میتے جائز قرار دیئے گئے ہیں جن میں ایک مچھلی ہے۔ "احلت لنا المیتتان : السمک والجراد" حدیث۔ ایک مسلمان کے لئے شریعت کی اجازت ہی کافی ہونی چاہئے، پھر بھی اس کی یہ حکمت بیان کی جاسکتی ہے کہ دوسرے جانوروں میں حرام خون ہوتا ہے اس لئے شرعی طریقہ سے جب تک خاص انداز میں ذبح کرکے اس حرام خون کا ازالہ نہ کرلیا جائے ان کا کھانا درست نہیں ہوتا۔ اور مچھلی میں یہ حرام خون نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مچھلی اور دوسرے جانوروں کے خون میں اس فرق کا مشاہدہ دونوں کے خون کو دھوپ میں سکھا کر کیا جاسکتا ہے۔

س : اگر ایک ہی گھر میں کئی افراد رہتے ہوں، ان میں بھابھی اور پھوپھی وغیرہ شامل ہیں، تو ان سے پردہ کس طرح کیا جائے، اور کیا ان سے مصافحہ کرنا درست ہے؟

ج : بھابھی بالکل اجنبی عورت کے حکم میں ہے، حدیث پاک میں دیور جیٹھ وغیرہ کو موت قرار دیا گیا ہے، یعنی ان سے خطرہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے احتیاط بھی زیادہ ہونی چاہئے، اس لئے صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ بھابھیوں وغیرہ کی رہائش اس انداز سے ہو کہ دیور اور جیٹھ سے اختلاط کی نوبت نہ آئے، لیکن ہندوستان میں مشترکہ خاندان کا رواج ہے جس میں اس طرح کا مطالبہ کرنا اکثر بڑے فتنہ نیز خاندان میں انتشار اور بدمزگی کا سبب بن جاتا ہے، لہٰذا ایسے موقعوں پر طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ کبھی بھی بھابھی وغیرہ سے تنہائی نہ ہونے پائے، ہنسی مذاق جس کا عام رواج ہے۔ سے پرہیز کرے، بھابھی اس کے سامنے سر کھول کر نہ آئے، سر کے بال سمیت پورا بدن ڈھک کر سامنے آئے، البتہ چہرہ اور ہتھیلی اس کے سامنے کھول سکتی ہے۔

اپنی ماں بہن جیسی محارم سے مصافحہ کرنے کی گنجائش ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کو شہوت کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ ناجائز ہے، غیر محرم عورت اگر بہت زیادہ بوڑھی ہو تو بعض فقہاء نے اس سے بھی مصافحہ کی اجازت دی ہے، لیکن اس دور فتن میں بہتر یہی ہے کہ اس پر اقدام نہ کیا جائے۔

(شامی ۵/۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱)

س : اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مذاق میں کہے کہ میں تجھ کو چھوڑ کر دوسری شادی کروں گا، تو یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کا شمار طلاق میں ہوگا؟

ج : طلاق جیسی سنجیدہ چیز کو موضوع مذاق بنانا آخری درجہ کی حماقت ہے، لیکن ان الفاظ سے طلاق نہیں پڑتی، اس لئے کہ اس میں وعدہ طلاق ہے نہ کہ انشاء طلاق۔

LW/NP – 184 **RIZWAN** R.N. 2416 /57

172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow-226 018.

Ph.2270406

بچوں کی

قصص الانبیاء

از:- امۃ اللہ تسنیم

چار حصوں پر مشتمل اس کتاب میں بچوں کی آسان زبان میں نبیوں کے حالات لکھے گئے ہیں، صرف قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں، اس کتاب کے بارے میں مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں:-

"ان سے چھوٹے بھائی مولانا السید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "قصص النبیین للاطفال" اب نہ کسی تعریف کی محتاج ہے نہ تعارف کی، سلیس و شستہ عربی میں پیغمبروں کے سچے سبق آموز پُر ہدایت حالات لڑکوں اور بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل، ان بہن صاحبہ نے یہ کیا کہ انھیں مطالب کو عربی سے اُردو میں منتقل کر دیا ہے، کتاب ترجمہ نہیں ترجمہ سے کچھ بڑھ کر ہے زبان کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، جو لڑکے لڑکیاں اس کو پڑھیں گے وہ ساتھ ساتھ اردو زبان بھی سیکھتے جائیں گے"

حصہ اول
حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ قیمت .

حصہ دوم، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام قیمت .

حصہ سوم، حضرت موسیٰ علیہ السلام ______ قیمت

حصہ چہارم حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام
حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ______ قیمت

مکتبہ اسلام ۱۷۲/۵۴ محمد علی لین گوئن روڈ
لکھنؤ (یو.پی) ــ ۲۲۶۰۱۸

بیادگار حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد ۴۸ مئی ۲۰۰۴ء شمارہ ۵

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

معاونین

• اُمامہ حسنی • میمونہ حسنی

• اسحاق حسینی • جعفر مسعود حسنی

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان	:	۱۰۰/روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک	:	۲۵/امریکی ڈالر
فی شمارہ	:	۱۰/روپے

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

ماہنامہ رضوان ۲/۵۴ ۱۷۲، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۱۸

Phone : 2270406

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کیلئے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ : ناشر کمپیوٹر لکھنؤ۔ فون : 2281223

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے .... مدیر ۳
- حدیث کی روشنی .... امۃ اللہ تسنیم ۴
- سماجی زندگی میں خوف خدا کی کمی .... مولانا محمد رابع ندوی ۶
- اسلام دین رحمت ہے ... حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ۹
- دینی تعلیم کی اہمیت وفضیلت .... مفتی محمد اسماعیل، احمد پور شرقیہ ۱۱
- اے مسلمان تونے تاریخ..... .... مولانا عبداللہ شاہوانی ۱۴
- دین کے پانچ اہم رکن حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ ... ۱۶
- مسلمانوں کے زوال کے اسباب ... مولانا اختر امام عادل قاسمی ۱۹
- یادگار ماضی .... سیولن مرفی ۲۲
- وہ طالب علم تھا .... مولانا سلیم اللہ زکریا ۳۱
- جانوروں کی سریع الحسی .... مولانا محمد قیوم اعتصامی ۳۵
- جہیز، سماج کا ناسور .... عبدالمعید رشیدی ۳۷
- بی بی سی کے سابق ڈائرکٹر جنرل کے بیٹے ۳۹
- سوال جواب .... مفتی محمد راشد حسین ندوی ۴۰

اپنی بہنوں سے ....

مدیر

● —— ربیع الاول کا بابرکت مہینہ شروع ہو چکا ہے اس مبارک مہینہ میں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے اور پوری کائنات کو منور اور روشن فرمایا، تاریکیاں چھٹ گئیں شرک سرنگوں ہوا اور کفر ذلیل وخوار، اللہ وحدہٗ لاشریک کی یکتائی کا غلغلہ بلند ہوا، صلی اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اس مبارک اور سراپا خیر وبرکت موقع پر ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہئے، اس پر ہمیں غور کرنا چاہئے یہ مبارک مہینہ دراصل اس سبق کو دہرانے اور تازہ کرنے کا موقع ہے جو حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دیا تھا اور ان پر ذمہ داری ڈالی تھی کہ اس سبق کو ہر امتی آگے بڑھائے اور اس کو پہنچائے جو یہاں موجود نہیں ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی ذمہ داری پوری کی اور جو عہد حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اس کو پورا کیا اور سرخرو ہو کر اس دنیا سے گئے انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں ذرا بھی کوتائی نہیں کی اسی لئے ان کو بشارت ملی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

اب یہ امانت ہمارے کندھوں پر ہے اور ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اس عظیم ذمہ داری کو ہم کس طرح پورا کرتے ہیں اور اس پیغام کو جو انسان کی نجات اور کامیابی (دنیا وآخرت دونوں کی) کا ضامن ہے اور اس کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی لگائی ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جاں نثار صحابہ نے اپنا خون اور پسینہ بہایا اپنا مال اپنی جان، اپنی اولاد اور خاندان قربان کیا، ہم کس طرح دوسروں تک پہنچاتے ہیں یہی اس امت کی اصل ذمہ داری اور اصل کام ہے۔

محبت رسول کا تقاضا ہے کہ ہم وہ کام کریں جس سے اللہ اور اس کا رسول خوش ہو، اور ان کاموں سے بچیں جن سے اللہ اور اس کا رسول ناخوش ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے جلسے صرف اسی لئے کئے جاتے ہیں کہ ہم محبت رسول میں سرشار ہو کر اس راہ پر چلیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے اور جس پر صحابہ کرام پوری زندگی چلتے رہے اور انہوں نے جان دیدینا گوارہ کیا مگر اسوۂ رسولؐ سے ایک لحہ کے لئے بھی ہٹنا گوارہ نہیں کیا۔ اپنی جان ومال اور اولاد کو قربان کردینا پسند کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی خدمت میں ذراسی کوتاہی برداشت نہیں کی۔ اسی لئے ان کو دنیا وآخرت کی تمام نعمتیں نصیب ہوئیں۔ اور ان کو وہ مقام حاصل ہوا جو کسی گروہ اور جماعت کو حاصل نہیں ہوسکا، ہم کو اس مبارک مہینہ میں اپنا جائزہ لینا چاہئے اور خدمت دین میں جو کوتاہی ہو رہی ہو اس کو دور کر کے صحابہ کرام کی زندگیوں سے روشنی حاصل کر کے سچا امتی بننے کی کوشش کرنا چاہئے۔

امۃ اللہ تسلیم

خیر اور آخرت کے کاموں میں سبقت

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (البقرة۔ع ۱۸)
نیکی میں سبقت کرو۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ۔ (آل عمران۔ع ۱۴)

اور ایک دوسرے سے جلدی کرو اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

فتنوں سے پہلے نیک اعمال میں جلدی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک اعمال میں جلدی کرو۔ عنقریب رات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح فتنے ہوں گے۔ صبح کو آدمی مومن ہوگا اور شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر، آدمی اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے نفع کیلئے بیچے گا۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سونا رکھے رہنے سے بیقراری

حضرت عقبہؓ بن الحارث سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کے وقت نماز پڑھی۔ آپ نے سلام پھیرا اور جلدی سے لوگوں کی گردنوں کو پھاندتے ہوئے اپنی کسی بیوی کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے۔ لوگ آپ کی اس قدر جلدی سے گھبرا گئے۔ جب آپ تشریف لائے اور اُن کو اپنی جلدی کی وجہ سے تعجب کرتے دیکھا تو فرمایا کہ میں کچھ سونا رکھ کر بھول گیا تھا مجھے اس کا روک رکھنا ناپسند ہوا اُس کی تقسیم کا حکم دینے گیا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے کچھ سونا صدقہ میں چھوڑ دیا تھا۔ مجھے ناپسند ہوا کہ اس کو رات گزارنے دوں۔

جنت کا شوق اور شہادت کی عجلت

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا فرمایئے کہ اگر قتل کیا جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ آپ نے فرمایا جنت میں، پس جو کچھ اُن کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں پھینک دیں، پھر جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (بخاری۔ مسلم)

صدقہ کا صحیح وقت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ کون سا صدقہ اجر میں زیادہ بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں کہ تم تندرست ہو، مال کی حرص رکھتے ہو، فقر سے ڈرتے ہو اور دولت کی امید کرتے ہو۔ پھر ڈھیل نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ حلق کو روح پہنچ جائے اور کہو یہ فلاں کے لئے ہے۔ یہ فلاں کے لئے ہے۔ حالانکہ وہ تو فلاں کے لئے ہو چکا۔ (بخاری۔ مسلم)

خیر میں ایک دوسرے سے مسابقت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن ایک تلوار لی اور فرمایا یہ کون لے گا۔ ہر آدمی نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور ہر ایک کہتا تھا میں میں۔ آپ نے فرمایا کون اس کو حق کے ساتھ لے گا۔ یہ سن کر لوگ ہٹ گئے۔ حضرت ابودجانہؓ نے کہا میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لوں گا پھر اس کو لیا اور اُس سے دشمنوں کے سر پھاڑ دیئے۔ (مسلم)

بد سے بدتر

حضرت زبیرؓ بن عدی سے روایت ہے کہ ہم انسؓ بن مالک کے پاس آئے اور ہم نے حجاج کی بدسلوکیوں کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا صبر کرو۔ ایسا زمانہ آئے گا کہ شر ہی شر ہوگا۔ یہاں تک کہ اپنے پروردگار سے ملو۔ میں نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ (بخاری)

انتظار کس بات کا ہے؟

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات چیزوں سے پہلے اچھے اعمال میں جلدی کرو، اگر ایسا نہیں کرتے تو ایسے فقر کا انتظار کرتے ہو جو بھلا دینے والا ہو۔ یا ایسی دولت کا جو سرکش بنا دینے والی ہو یا ایسے مرض کا جو بگاڑ دینے والا ہو۔ یا ایسے بڑھاپے کا جو سٹھیا دینے والا ہو۔ یا ایسی موت کا جو کام تمام کر دینے والی ہو۔ یا دجال کا جو نہایت بری غیر موجود چیز ہے۔ جس کا انتظار کیا جائے۔ یا قیامت کا۔ پس قیامت بہت سخت اور نہایت کڑوی چیز ہے۔ (ترمذی)

دینی شرف کی خواہش اور ارمان

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا البتہ یہ نشان میں ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول کو چاہتا ہے اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے سرداری کی اسی روز خواہش کی۔ میں اس امید پر اپنے کو بلند کرتا تھا کہ میں بلایا جاؤں۔ آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا اُن کو وہی نشان دیا اور فرمایا جاؤ اور کسی طرف متوجہ نہ ہونا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم کو فتح دے۔ حضرت علیؓ کچھ دُور چلے پھر ٹھہرے اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوئے، وہیں سے آواز دی یا رسول اللہ میں کس بات پر لوگوں سے جنگ کروں۔ آپ نے فرمایا ان سے جنگ کرو حتی کہ وہ گواہی دیں "لا الٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ" پس اگر انہوں نے گواہی دیدی تو انہوں نے تم سے اپنی جانوں کو اور اپنے مالوں کو محفوظ کر لیا۔ ہاں جان و مال کے مطالبہ میں اُن سے دار و گیر کی جا سکتی ہے اور اُن کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (مسلم)

اللہ سے قربت اور اُس کی محبوبیت کے آثار

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو میرے دوست سے دشمنی رکھے گا اُس سے لڑائی کا اعلان ہے اور میرے بندوں کا میرے فرائض سے نزدیکی حاصل کرنا جس قدر مجھ کو محبوب ہے اس قدر اور کسی نیکی کی نزدیکی مجھ کو محبوب نہیں۔ اور برابر میرا بندہ مجھ سے نوافل کے ساتھ قریب ہوتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اُس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس کو دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ چاہے گا تو میں اُس کو پناہ دوں گا۔ (بخاری)

اللہ کی بندہ نوازی

حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور آپ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں فرمایا جب میرا بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ جب وہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اور جب وہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (بخاری)

دو دولتیں ہیں جن کی قدر نہیں

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو نعمتیں ہیں جن میں بہت لوگ گھاٹے میں ہیں۔ تندرستی اور فرصت۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت اور جذبۂ شکر

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کھڑے ہوتے تھے اور کھڑے کھڑے آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے۔ میں نے کہا آپ یہ کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری۔ مسلم)

رمضان کے عشرہ اخیر کی شب بیداری

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخر عشرہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی شب بیداری فرماتے اور گھر والوں کو جگاتے اور کمر کس کر تیار ہو جاتے۔

●●

مولانا محمد رابع ندوی

سماجی زندگی میں خوف خدا کی کمی

اجتماعی زندگی میں درستگی اور خوبی کے لئے تین صفات بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک فرض شناسی، دوسرے ہمدردی اور تیسرے دیانت، اگر ان تینوں باتوں کا لحاظ نہ رکھا جائے تو اجتماعی زندگی پریشانی اور مصیبت کی آماج گاہ بن جاتی ہے، اسلام میں ان تینوں باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور تاکید کی گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام میں یہ تینوں باتیں بہ طریق احسن پائی جاتی تھیں اور ان کی بنیاد اللہ کا خوف اور آخرت میں کامیابی کی طلب ہوتی تھی، اسی لئے ان کا معاشرہ بڑا مثالی معاشرہ تھا، آپس کی محبت، ہمدردی اور دیانتداری ان کی عام صفات تھیں، اللہ کا خوف آخرت کی فکر جیسے جیسے کم ہوتی گئی مسلمانوں میں ان صفات کی کمی ہوتی گئی اور ان کی اجتماعی زندگی ابتر ہوتی چلی گئی، ضرورت ہے کہ ان صفات کو رواج دینے اور عمل کا جز بنانے کی فکر کی جائے، اور معاشرے کو درست بنایا جائے۔ ملحد اور کافر قوموں میں اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر نہیں ہوتی ہے لیکن یورپ کی موجودہ متمدن قوموں میں فرض شناسی ہمدردی تعاون و دیانت کی ظاہری شکلیں خاص نظر آتی ہیں، دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بیشتر افراد تعلیم یافتہ ہونے کے باعث اپنی اجتماعی زندگی کو خوبصورت اور منظم بنانے کی فکر کرتے ہیں، ان کے پاس خوف خدا اور تصور آخرت نہیں ہے، انہوں نے اس کمی کا حل دوسرے طریقے سے نکالنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے خوف خدا کی جگہ حکومت اور قانون کی گرفت کے خوف کو جگہ دی ہے اور آخرت کی فکر کی جگہ اپنے ذاتی اور اجتماعی نفع وضرر کی فکر کو جگہ دی ہے، اس طریقے سے وہ اپنی اجتماعی زندگی اپنے مطلب کی حد تک سنبھالنے کے قابل ہو گئے ضروری کام کے لئے فرض شناسی اس لئے اختیار کی جاتی ہے کہ اس کے بغیر زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی ہے۔ وہاں ایک شخص دوسرے شخص سے تعاون اس لئے کر رہا ہے کہ اپنی ضرورت پڑنے پر اس کو دوسرے کی تعاون کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے حصول کے لئے لین دین کے طریقے سے مفر نہیں، وہ دوسرے کے ساتھ اگر کوئی ہمدردی کرتا ہے تو یا تو اس لئے کہ اس سے اس کی کوئی ذاتی مقصد براری ہوتی ہے یا ہمدردی نہ کرنے پر سوسائٹی کی نظروں میں اس کو رسوائی کا خطرہ ہوتا ہے۔

جہاں تک دیانت کا تعلق ہے تو وہ صرف قانون کی پکڑ سے بچنے کے لئے یا رائے عامہ کے دباؤ سے اور سوسائٹی کی نظر تنقید سے بچنے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اگر ان دونوں باتوں میں مفر کی صورت نکلتی ہے تو وہ بددیانتی سے بالکل نہیں بچتا، چنانچہ مغربی سوسائٹی میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ جب بھی بددیانتی کی پکڑ سے محفوظ موقع ملا تو کھل کر بددیانتی کی گئی نیویارک میں ایک رات چند گھنٹوں کے لئے بجلی چلی گئی تو اندھیرے کی آڑ میں دکانوں کے دروازے توڑ توڑ کر ہر طرح کا سامان اٹھا لے گئے اور پولیس کی زد میں آئے تو ناگواری کا اظہار کیا۔

امریکہ میں کسی اخبار نے یہ سوال نامہ شائع کیا کہ اگر آپ کو پکڑ دھکڑ کا خطرہ نہ ہو اور چوری کا موقع ملے تو کیا آپ چوری کریں گے تو بھاری اکثریت کا جواب تھا ضرور کریں گے۔ یہ ان کی حقیقت گوئی تھی کیونکہ پکڑ یا دباؤ کے خطرے کے معدوم ہونے کی صورت میں بددیانتی نہ کرنا ان کی نظر میں بے وقوفی سے زیادہ نہیں۔

وہاں کی حکومتیں ان تصورات کو جانتی ہیں اسی لئے وہ اس کے مطابق انتظامات بھی کرتی ہیں اور اسی کے مطابق ضابطہ وقانون بھی بناتی ہیں اور اس طریقے سے

سوسائٹی کے ظاہری عمل کو کنٹرول کر لیتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کی اجتماعی زندگی کا ظاہری رنگ و روپ بہت بھلا ظاہر ہوتا ہے، چھوٹی موٹی اور گھٹیا قسم کی بددیانتیاں مغربی تمدن میں بہت کم ہوتی ہیں، کیونکہ ان سے فائدہ کم اور سوسائٹی میں رسوائی کا نقصان زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ سڑک پر معمولی اشیاء کی دکانوں پر بعض وقت مال بغیر محافظ کے ہوتا ہے اور لوگ قیمت رکھتے جاتے ہیں اور مال اٹھا لیتے ہیں۔ مثلاً اخبارات کے فروخت میں یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وجہ یہ ہوتی ہے کہ ارد گرد دسیوں آدمی آتے جاتے دیکھ رہے ہوتے ہیں، لیکن جب بھی کسی کو کوئی محفوظ موقع مل گیا تو وہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے، مغربی تمدن میں قانون وحکومت کی گرفت کے ساتھ صحافت کی طرف سے بھی گرفت کا نظام ہے اور اس معاملے میں صحافت برابر کام انجام دیتی ہے، اگر کسی فرم کی طرف سے خراب مال بنایا جا رہا ہو اور بدمعاملگی ہوتی ہو تو فوراً صحافت اس کی گرفت ہوتی ہے اور عوام کی سامنے اس کا قضیہ لے آتی ہے، اس کی وجہ سے کاروبار میں دیانت واحتیاط کا لحاظ رکھا جاتا ہے یہ حالات ہیں، بے خدا زندگی کے جن میں دین کی گرفت کے نہ ہونے سے دنیاوی تدابیر سے کام لیا جاتا ہے، کم از کم ظاہری سطح پر اچھی نتائج حاصل کر لئے جاتے ہیں، لیکن ہمارا مشرقی ماحول اتفاق سے دونوں عوامل سے خالی ہو چکا ہے نہ تو اس میں دین کا اتنا اثر ہے کہ وہ غلط کاموں اور خود غرضیوں سے روکے اور کہیں پایا جاتا ہے تو اس کی تعداد کم ہے۔ جو معاشرے کو اچھا نہیں بنا پاتا اور اس حقیقت کو مان کر اس کا متبادل دنیاوی طریقہ اختیار کرنے کی طرف بھی توجہ نہیں کی جاتی، چنانچہ ہماری اجتماعی زندگی میں تعاون ہمدردی اور دیانت تینوں باتوں کی مثالیں کم ہوتی جا رہی ہیں البتہ ابھی دیانتداری ہمدردی اور تعاون کے تذکرے برابر جاری ہیں اور ان کے لئے دین وآخرت کے حوالے بھی دیئے جاتے ہیں جن کا اثر کسی حد تک ہوتا ہے اور بہت سے افراد کی اس طریقے سے اصلاح بھی ہوتی ہے، لیکن کوشش کی مقدار زیادہ نہیں ہے، تھوڑی بہت اچھی مثالوں کی وجہ سے نیز دعوت ونصیحت کے کچھ کام کی صورت میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کافی ہے اور معاشرہ اس سے درست ہو جائے گا لیکن یہ کافی نہ ہونے کے باعث معاشرے میں کافی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

اگر دکاندار کی ناواقفیت اور کسی دوسرے کی نظر سے بچنے کا موقع مل جائے تو خریدار قیمت سے زیادہ مال حاصل کر لیتا ہے اور اگر گاہک کی ناسمجھی یا غفلت کا موقع دکاندار کو مل جائے تو وہ اس سے زیادہ دام حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح ایک ساتھ رہنے والے ایک دوسرے کی اشیاء کو غفلت کا موقع ملنے پر بہ قدر اخفا اپنی ملکیت میں لے لیتے ہیں اور ایک دوسرے کی اشیا کو بلا اجازت استعمال کرنے کا رواج تو بہت عام ہے خواہ اس سے اصل مالک کو دشواریاں اور نقصانات کتنے بھی پیش آئیں۔

ہمارے مسلم معاشرے میں بھی یہ کمزوری بڑھتی جا رہی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا گھریلو ماحول پھر ہمارا تعلیمی نظام، دلوں کو انسانی ہمدردی کا عادی اور خوف خدا اور تصور آخرت سے وابستہ کرنے سے بہت کوتاہ اور غافل ہے علم تو ڈھیروں مہیا کرنے کی فکر کی جاتی ہے لیکن سیرت کو درست کرنے اور انسان بنانے کے طریقے بہت کم اختیار کئے جاتے ہیں، اس کے نتیجے میں وہ اخلاقی کمزوریاں دلوں میں گھر کر لیتی ہیں جس سے معاشرہ اور خود غرض بنتا جاتا ہے، دوسرے کی چیز بلا اجازت استعمال کر لینا، دوسرے کی مخفی باتوں کی ٹوہ میں رہنا، اپنے معمولی فائدے کے لئے دوسرے کا بڑا نقصان کر دینا، ذاتی منفعت کی طلب میں ملت کو نقصان پہنچانا، دنیاوی فائدے کی خاطر آخرت کی بربادی مول لے لینا، ہماری معاشرت میں پھیلتا جا رہا ہے۔

ایک ادارے نے اپنے ٹیلی فون پر طویل فاصلے کی کالیں مخفی طور پر بار بار ہو جانے کے بعد ایک تختی لگائی کہ یہ قومی مقصد کا ٹیلی فون ہے براہ کرام کال کریں تو اس کا معاوضہ بھی ادا کریں تختی کی پروا کئے بغیر ایک صاحب کال کرنے لگے جب ان سے کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی قوم کا ہوں اور بے تکلف کال کی اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ ایسی باتوں کو دین

کے خلاف محسوس نہیں کرتے حالانکہ ان معاملات میں دین کی واضح ہدایات موجود ہیں۔ یہ احساس کہ مالک سے اجازت لے کر ہی اس کی چیز استعمال کی جائے اور اس کی اجازت پر ہی اس کی چیز کو اپنی ملکیت میں لیا جائے خواہ وہ چیز کتنی ہی معمولی ہو، بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔ یہ دیانتداری کی کمی کا معاملہ ہے اور جہاں تک تعاون و ہمدردی کا تعلق ہے تو وہ تو مخلصانہ طور پر اور محض اللہ کے لئے کرنے کے دائرے سے تقریباً باہر ہو چکا ہے۔ اب تو جس کے تعاون و ہمدردی کا گہرا جائزہ لیا جائے تو اس کے پیچھے عموماً کوئی دنیاوی مفاد مخفی ملتا ہے، حتیٰ کہ آپس میں ملنے جلنے میں، ایک دوسرے سے اخلاق کے ساتھ پیش آنے میں، محبت واحترام کے ساتھ پیش آنے میں، دوسرے کی ضرورت وطلب کی خوش دلی سے پورا کرنے میں اکثر دنیاوی مفاد کا مخفی عمل دخل ملتا ہے۔ اس طریقے سے ہمارا معاشرہ محض ایک مصنوعی ربط و محبت کا معاشرہ بن گیا ہے، اس میں اخلاص کے جذبے سے اور للہ فی اللہ کرنے کا جذبہ بہت قلیل یا مفقود ہو چکا ہے۔

حقیقت میں خوف خدا اور تصور آخرت کے کمزور پڑ جانے کے ہی یہ اثرات ہیں، جب خوف خدا اور تصور آخرت ہوتا ہے تو باہمی ربط وضبط اور تعاون وہمدردی، اخلاص، بےغرضی اور سچے ربط وضبط کی خواہ طاقت پیدا ہوتی ہے، جس سے انسانیت اور سچے اخلاق کی فضا بنتی ہے اور زندگی میں زندگی کا مزہ آتا ہے۔ عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین میں خوف خدا اور تصور آخرت کے بہت سے واقعات ہیں، اس کے بعد کے زمانوں میں بتدریج ان میں کمی ہوتی ہے، لیکن اسلام کا کوئی زمانہ ان جیسے واقعات سے خالی نہیں رہا حتیٰ کہ موجودہ عہد میں بھی اس جذبے کے حامل واقعات ملتے ہیں، تعاون وہمدردی کے بےلوث واقعات تو وقتاً فوقتاً دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں، مثال کے طور پر مکہ مکرمہ کا یہ تازہ واقعہ کہ ایک پاکستانی نوجوان جو مکہ مکرمہ میں کام کرتے ہیں دونوں گردوں کے بےکار ہو جانے کے مرض میں مبتلا ہوئے، ان کو ڈاکٹروں نے بتایا کہ وہ کسی کا گردہ اپنے جسم میں منتقل کریں تب ہی وہ بچ سکتے ہیں مصارف ایک لاکھ سے زیادہ تھے، ان کے بعض احباب اس کے لئے فکرمند ہوئے، اسی دوران ایک عرب آئے اور دوران گفتگو ان کو اس کا علم ہوا، انہوں نے دریافت کیا کہ کیا مسئلہ ہے؟ معلوم ہونے پر دریافت کیا کہ کیا مصارف ہوں گے؟ ان کو بتایا گیا کہ فی الحال ایک لاکھ ریال کا خرچ ہے، انہوں نے اسی وقت رقم نکال کر دے دی، جب ان سے ان کا نام دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ جس کے لئے میں نے کیا ہے یعنی خدائے تعالیٰ میرا نام جانتا ہے اور یہ کہہ کر چلے گئے، کیا یہ بات اللہ کی رضا اور جزائے آخرت کے علاوہ کسی اور سبب سے ہو سکتی ہے۔

اور جب خوف خدا اور تصور آخرت سے زندگی خالی ہو تو وہ واقعات بکثرت مشاہدے میں آتے ہیں جن میں بےدردی اور خودغرضی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور ملکی قانون سے قابو میں نہیں آتے مثلاً ریلوے یا ہوائی حادثات کے موقع پر ہلاک شدہ اور زخمی لوگوں کے مال پر فوراً قبضہ کرنا اور اس سلسلے میں روس جیسے سخت گرفت رکھنے والے ملک میں آرمینیا کے زلزلے سے متاثرین کے ساتھ بےدردی کے واقعات کی خبریں آئیں جو اس بات کی علامت ہیں کہ قانون اور ضرب وحرب سے ایک مصنوعی اور ناقص روک تو لگ سکتی ہے لیکن حقیقی اور جامع روک نہیں ہو سکتی۔

••

بقیہ...... اسلام دین رحمت ہے

مسلمانوں کو فرضی جرائم پر مادر زاد عریاں کرنا، انہیں سخت سے سخت سزائیں دینا اور ان سے انسانیت سوز سلوک کرنا تو ان کے نزدیک بالکل انصاف ہے لیکن موذی محارب کافر کو معمولی سزا دینا بھی اسلام کے خلاف ہے یعنی ان کی نظر میں اسلام مسلمانوں کو اتنی بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ بددین موذیوں سے قطع تعلق ہی کرلیں؟ نہ معلوم عقل و انصاف اور دین و دیانت کا جنازہ کیوں نکل گیا؟ موذی کافر کے ساتھ رحم دلی اور بے گناہ مسلمان کے ساتھ بےرحمی یہ کہاں کا فلسفہ ہے؟ کچھ محسوس ہوتا ہے کہ ایمان کا نور دلوں سے نکل چکا ہے اور کفر کی ظلمت ایسی چھا گئی ہے کہ حقائق کی تمیز مشکل ہو گئی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

اسلام دین رحمت ہے

بلاشبہ اسلام دنیا میں رحمت ہے۔ تمام ادیان الٰہیہ سماویہ میں رحمت بن کر آیا ہے۔ پوری انسانیت کی ہمدردی کا علمبردار ہے۔ اس کے دامن میں رافت و رحمت اور اخوت و شفقت کے وہ پھول ہیں جس سے مشام عالم معطر ہے۔ اسلام نے دنیا کو ہمدردی و محبت کا درس دیا ہے۔ اسلام آنے کے بعد تمام ارباب ادیان اپنے اپنے مذہب میں اصلاح کرنے پر مجبور ہوئے کہ اسلام کے آفتاب عالم تاب کے بعد وہ اس قابل نہ تھے کہ دنیا کے سامنے منہ دکھا سکیں۔ حدیث نبوی ہے:

"کوئی خیمہ اور مٹی کا مکان باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ وہاں اسلام کو داخل کردے گا، کسی معزز کی عزت اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔"

اس میں اشارہ اسی مضمون کی طرف ہے کہ ہر ہر گھر میں اسلام پہنچا اور ہر مذہب نے اس کی خوبیوں سے فائدہ اٹھایا۔

اسلام جانوروں پر بھی رحم کرنے کی تعلیم دیتا ہے

اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے یہ بتایا کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر بھی جنت حاصل کی جاسکتی ہے اور ایک بلی کو ناحق ایذا دینے سے انسان جہنم میں پہنچ سکتا ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو جانوروں پر بھی رحم سکھاتا ہے اور جانور ذبح کرنے کے لیے چھری تیز کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دنیا میں مظلوم بننے کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے اور ناقابل برداشت تکالیف ومصائب میں صبر و حوصلے کی تلقین کرتا ہے اور صبر کرنے والوں کو بےحساب اجر وثواب کی بشارت سناتا ہے "انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب" انتقام لینے کا حکم اس وقت دیتا ہے جب پانی سر سے گزر جائے اور ظلم حد سے بڑھ جائے مگر اسلام انتقام کی بھی غیر محدود اجازت نہیں دیتا بلکہ یہ شرط عائد کرتا ہے کہ انتقام، ظلم کے مماثل ہو، اس سے متجاوز نہ ہو۔ ارشاد ہے:

"فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم" یعنی جتنا ظلم تم پر کیا گیا بس اتنا ہی انتقام لو اور جزاء سیئة مثلھا یعنی برائی کی سزا اتنی ہی برائی ہے۔

اس کے باوجود بھی اعلان فرمایا "فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ" کہ جو شخص درگزر کرے اور درستگی و اصلاح کی فکر کرے تو حق تعالیٰ ہی اجر عطا فرمائے گا۔

اسلام کا قانون رحمت وعدل

اسلام صرف اس وقت تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے جب اصلاح کے راستے بند ہو جاتے ہیں تمام معاشرے کے تباہ ہونے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے اور کوئی توقع خیر کی باقی نہیں رہتی۔ ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی ہوتی ہے۔ اس وقت شروفساد سے عالم انسانیت کو بچانے کے لیے تلوار کا حکم دیتا ہے اور پھر بھی یہ اعلان کرتا ہے کہ بچوں کو بچاؤ، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل مت کرو، عبادت گاہوں میں بیٹھے ہوئے عبادت گزاروں سے درگزر کرو۔ کیا موجودہ تہذیب کے مدعی خواہ وہ فرانس ہو یا برطانیہ، امریکہ ہو یا جرمنی، روس ہو یا چین، اسلام کے قانون رحمت وعدل کی نظیر پیش کرسکتے ہیں؟ اسلام کی رواداری اور انسانی ہمدردی کی کوئی مثال وہاں مل سکتی ہے؟

اسلامی غزوات پر اعتراض کرنے والوں کے روح فرسا کارنامے

جنگ عظیم دوم نے کیا کیا تباہی نہیں مچائی؟ دو ہزار میل لمبا اور چار سو میل چوڑا میدان کارزار گرم ہوا، تین ہزار ٹینک اور پچاس ہزار ہوائی جہاز انسانی خون کی ہولی کھیلنے کے لیے امڈ آئے۔ چھ برس تک انسانیت کی وہ مسلسل تباہی ہوتی رہی جس

کی نظیر تاریخ استبداد میں نہیں مل سکتی اور جس کے سامنے چنگیز اور ہلاکو شرمندہ ہیں۔ دس دس بارہ بارہ گھنٹے مسلسل ہوش ربا بمباری ہوتی رہی۔ سیکڑوں مربع میل میں نہ کوئی معصوم بچہ محفوظ رہا نہ کوئی ضعیف و ناتواں بوڑھا۔ بچے، عورتیں اور بے گناہ حیوانات تمام کے تمام ہلاک ہوئے پہلے ہٹلر، دہملر، گوبلز، میسولینی نے یہ کردار ادا کیا، پھر برطانیہ کے چرچل اور امریکہ نے اس درندگی کا ثبوت دیا۔ تقریباً تین کروڑ نسل انسانی تباہ ہوئی اور لاکھوں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ اسٹالن نے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کو صرف اپنے عقیدے کمیونزم کی مخالفت کی وجہ سے تہ تیغ کیا۔ روس نے سمرقند و بخارا میں کیا کیا؟ فرانس نے الجزائر میں کیا کیا؟ ان مہذب بھیڑیوں اور انسان نما درندوں نے دنیا میں کیا کیا؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ نسل انسانی کو تباہ و برباد کرنے کیلئے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے ذخائر جمع کرنے والوں نے پہلے کیا کچھ نہیں کیا؟ اور آئندہ کیا کچھ نہیں کریں گے کیا ان درندوں کے دلوں میں رحمت و انسانیت کا ایک شمہ بھی موجود ہے! کیا ان کو شرم نہیں آتی کہ اسلام کے مسئلہ جہاد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات پر اعتراض کرتے ہیں جب کہ ان غزوات میں دس سال کے عرصے میں فریقین کے چند سو افراد سے زیادہ افراد قتل نہیں ہوئے۔ کفر کی یہ غیر منصفانہ دھاندلی کتنی عجیب ہے کہ خود تو مظلوم اور بے گناہ انسانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے کیا کیا ظلم کر رہے ہیں اور حکومت کے تختے الٹنے اور طرح طرح کے انقلابات لانے کے لیے کیا کیا ستم ڈھا رہے ہیں اور کیا کیا روح فرسا واقعات کرتے رہتے ہیں لیکن اگر اسلام عدل قائم کرنے کے لیے کسی بدترین مجرم کو قصاص کے طور پر قتل یا زنا جیسے قبیح جرم کے مرتکب کی سنگ ساری کا حکم دے تو تمام کافر چیخ اٹھتے ہیں کہ یہ عدل و انسانیت کے خلاف ہے؟ اگر عقول یہاں تک مسخ ہو جائیں تو پھر جنون کا کیا علاج؟ کیا آج کل عدالتیں پھانسی کی سزائیں نہیں دیتیں؟ صد حیف کہ اسلام کے نام سے سزا ہو تو جرم ہے اور اگر غیر اسلامی عدالت سے سزا ہو تو عین انصاف ہے؟

بریں عقل و دانش بباید گریست

اسلام میں تو کفار کی چار قسمیں ہیں:
ا۔ حربی کافر، ۲۔ ذمی کافر، ۳ مستامن کفر، ۴۔ مرتد کافر، سب کے الگ الگ احکام ہیں۔ پھر اسی طرح مملکتوں کی اقسام ہیں :
ا۔ دار الاسلام ۲۔ دار الحرب ۳۔ دار الامان۔

سب کے علیحدہ علیحدہ شرعی احکام ہیں۔ بسا اوقات ان احکام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ جو کافر میدان جنگ میں مسلمانوں سے معرکہ آرا ہوں ان کے ساتھ اسلام کا رویہ نسبتاً شدت آمیز ہے اسی طرح وہ کافر جو اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں اور سازشیں کرنے میں مصروف ہوں ان کے حق میں اسلام کا رویہ سخت ہے اور بلاشبہ اس موقعہ پر شدت و سختی ہی سراپا حکمت اور عین مصلحت ہے جب ایک مسلمان زانی کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ولا تاخذ کم بھما رافۃ فی دین اللہ. اور دیکھو! زانی مرد و عورت پر اللہ کے دین کا حکم نافذ کرتے وقت تمہیں ان پر ترس نہیں آنا چاہئے۔

مفسد کفار کے حق میں شفقت و رواداری کیوں کر جائز ہو سکتی ہے؟ جب کبار صحابہ اور بدری صحابہ کے بارے میں مکمل مقاطعہ کا حکم شرعاً واجب ہو سکتا ہے تو کفار و مرتدین کے بارے میں اگر صحیح سزا کی قدرت نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ان کے ساتھ مقاطعہ کیوں اسلامی اصول کے خلاف ہے؟

درحقیقت اسلام کی تمام سزائیں نہ صرف یہ کہ عدل و انصاف کے فطری اصول پر مبنی ہیں بلکہ خود مجرم کے حق میں عین رحمت اور سراپا حکمت ہیں تاکہ اسے غور و فکر کا موقع ملے اور اسلام جیسی نعمت سے محروم ہو کر ابدالآباد تک عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہو۔

دراصل اسلام ہی وہ دین سماوی ہے جس نے جرم و سزا کے درمیان فطری توازن قائم کر کے انسانیت پر عظیم الشان احسان کیا ہے۔ جو لوگ جرائم پیشہ مفسرین اور کفار و مرتدین کے ساتھ معمولی سختی پر چیں بہ جبیں ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک گویا مسلمانوں کے ساتھ ظلم کرنا تو قابل برداشت ہے لیکن کافروں اور مرتدوں کے ساتھ سختی کرنا اسلامی عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

((باقی صفحہ.....۸.....پر)

مفتی محمد اسماعیل، احمد پور شرقیہ

دینی تعلیم کی اہمیت وفضیلت

حق تعالیٰ کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے، پھر سب مخلوقات میں بنی نوع انسان سے ساتھ کچھ زیادہ ہی شفقت و محبت ہے۔ جہاں اسے عقل و خرد، فہم و فراست، نطق و گویائی، موزوں قد و قامت، ظاہری حسن و جمال وغیرہ بیش بہا نعمتوں سے نوازا، وہاں اسے دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار کرنے کے لئے دین و ہدایت کی نعمت عظمیٰ سے بھی سرفراز فرمایا۔ محبت و شفقت خداوندی اور اس کے دین کی قدر و عظمت کا اندازہ سیکھے بغیر نہیں ہو سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ علم ہی کی بدولت پروردگار عالم نے حضرت انسان کو اپنی خلافت کا تاج پہنایا اور مسجود ملائکہ بھی بنایا، ورنہ عبادت و طاقت کے لحاظ سے ملائکہ کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ :

''نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو۔'' (سورہ التحریم، پ ۲۸)

اس سے علم کی فضیلت واضح طور پر، عبادت پر ثابت ہوئی اور ایسا کیوں نہ ہو کہ عبادت، خاصہ مخلوق ہے اور علم صفت خداوندی ہے۔

قرآن و حدیث میں بیسیوں مقامات پر فضائل علم کو بڑے زوردار الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً :

''اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے ان لوگوں کے رتبے جو تم میں سے ایمان لائے اور ان لوگوں کے درجے جو علم دیئے گئے ہیں۔'' (سورۃ المجادلہ۔ پ ۲۸)

دوسری جگہ فرمایا کہ :

''کہہ دیجئے کیا برابر ہیں جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے۔'' (سورۃ الزمر، پ ۲۳)

تعلیم و تعلم حق تعالیٰ کو اس قدر عزیز ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ جیسے آڑے وقت میں بھی اس سے بے توجہی و بے اعتنائی ہو جانے کو گوارا نہ کیا بلکہ تنبیہ فرمائی کہ :

''اور مسلمانوں کو ایسا نہ کرنا چاہئے کہ سب (جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا کہ نکلتا ان کے ہر گروہ میں سے ایک حصہ تاکہ (باقی ماندہ لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہتے۔'' (سورۃ التوبہ، پ ۱۰)

حتی کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادتی علم کی دعا مانگا کیجئے جیسا کہ ارشاد ہے :

''اور کہہ اے میرے رب! میرا علم بڑھا دیجئے۔'' (سورہ طٰہٰ، پ ۱۶)

احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ میں فضیلت علم اور اس کی تحصیل و تعلیم کے متعلق خاصی ترغیب و تحریص موجود ہے مثلاً :

''علم سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ۔'' (دار قطنی، بیہقی)

''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔'' (جامع الصغیر، مسند دیلمی)

''جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں سمجھ بوجھ (گہرائی) عطا فرما دیتے ہیں۔'' (بخاری و مسلم)

''جو شخص علم دین حاصل کرنے کیلئے راستہ چلے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کیلئے جنت کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔'' (ترمذی)

''جو شخص علم طلب کرنے کے لئے نکلا، وہ خدا تعالیٰ کے راستے میں ہے یہاں تک کہ واپس لوٹے۔'' (ترمذی)

''عالم کی فضیلت عبادت گزار پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں کے ادنیٰ آدمی پر۔'' (ترمذی)

ترمذی ہی کی ایک روایت میں ہے کہ ''بے شک فرشتے طالب علم کے لئے اپنے بازو (پر) بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے آسمانوں و زمین کی مخلوق استغفار کرتی ہے اور مچھلیاں پانی میں، اور عالم کی بزرگی،

عبادت گزار پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر۔"

صحیح ابن حبان اور سنن ابن ماجہ میں ہے کہ "دین کا ایک باب سیکھنا ایک ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔"

ابن عبدالبر کی روایت میں ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرامؓ اعمال میں سے افضل عمل کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہ جواب دیتے رہے کہ علم افضل ہے یہاں تک کہ فرمایا کہ علم کے ساتھ تھوڑا عمل کارآمد ہے اور بے علم کے بہت عمل بھی مفید نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ "طالب علم اگر تحصیل علم کی حالت میں فوت ہوگیا تو شہید مرا۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ "جس نے علم کا ایک باب سیکھ کر اسے آگے پھیلایا اسے ستر صدیقین کا ثواب ملے گا۔" ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فضیلت علم دین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو کتب حدیث میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علما کی مجلس سے بہتر کوئی اور مقام پیدا نہیں کیا اور ایک عالم کا مرجانا ایک ہزار عابد قائم اللیل وصائم النہار کے مرجانے سے بڑھ کر ہے۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کا قول ہے کہ علم بغیر عمل کے مفید ہے مگر عمل بغیر علم کے مفید نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کا قول ہے کہ روزہ دار شب بیدار آدمی سے عالم افضل ہے، جب کوئی عالم دین فوت ہوتا ہے تو اسلام میں ایک رخنہ پیدا ہوجاتا ہے جسے کوئی بند نہیں کرسکتا مگر وہ شخص جو اس کے بعد علم والا ہوکر اس کی جگہ لے۔

حضرت ابوالدرداؓ کا قول ہے کہ جو شخص طلب علم کے لئے سفر کو جہاد نہیں سمجھتا، اس کے عقل میں نقص ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ رات میں ایک گھڑی بھر علم پڑھنا پڑھانا تمام رات عبادت کرنے سے افضل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ ہی کا قول ہے کہ عام ایمان والوں پر علم والوں کو سات سو درجے بلندی ہے اور ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جیسے پانچ سو برس کی راہ۔

حضرت حسنؒ بصری کا قول ہے کہ علماء زمانوں کے چراغ ہیں اور ہر عالم اپنے زمانے کا جس سے اس زمانے کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت مطرف بن عبداللہؒ کا قول ہے کہ زائد عبادت سے حصول علم بہتر ہے۔

حضرت معافی بن عمرانؒ کا قول ہے کہ تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا، اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو سکھانا ہے۔

بہرحال قرآن، حدیث اور اقوال سلف صالحین، علم کی فضیلت واہمیت سے پُر ہیں، جس کی ہلکی سی جھلک آپ نے سطور بالا میں ملاحظہ فرمائی۔ مذکورہ بالا فضائل ومناقب بلاامتیاز ہر اس مرد وعورت کے لئے ہیں جس نے علم دین حاصل کیا اور اپنی شبانہ روز زندگی میں اس کے مطابق عمل کیا۔

غلط فہمی یا مغالطہ انگیزی

جمیع ادیان سماویہ کی تعلیم اور تمام انبیائے مرسلین علیہم السلام کی محنت کا اصل میدان بنی نوع انسان کے قلوب رہے ہیں کہ ان کا تزکیہ وتصفیہ کرکے پاکیزہ عقائد وافکار اور عمدہ صفات وکیفیات ان میں جاگزیں کی جائیں جن کے زیر اثر حق تعالیٰ شانہ کی عظمت ومحبت پیدا ہو، عادات کا ازالہ ہو، اخلاق حسنہ کا شوق پیدا ہو، خلق خدا کی خدمت وخیر خواہی کا جذبہ پیدا ہو۔ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا فکر ویقین ہو اور یوں انسانیت اعلیٰ عقائد ونظریات اور بہترین اخلاق وکردار اپنا کر فلاح دارین سے ہمکنار ہو، رہے دنیوی علوم وفنون، سائنسی ایجادات وتحقیقات، پیشہ ورانہ اصلاحات وفنی تجربات وغیرہ، دنیوی ترقی کے لئے ان علوم عصریہ کا حصول اگرچہ ضروری ہے اور دینی نقطہ نظر سے اہل اسلام کو اس میدان میں محنت کرنا بھی نہایت اہم ہے مگر ان مادی اشیا کی ترکیب وتکنیک اور ساخت وپرداخت پر بحث، دین ومذہب کا موضوع سخن نہیں کہ یہ بات عظمت دین اور منصب انبیا علیہم السلام سے فروتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان چیزوں کی تربیت کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے نہ کوئی آسمانی کتاب اتاری اور نہ ہی کسی نبی ومرسل کو اس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا کہ وہ

سائنس اور طبیعات کے ذریعے کائنات کی نیرنگیوں کی تحقیقات کرتے پھریں اور لوگوں کو نباتات وجمادات، طب اور ڈاکٹری، انجینئرنگ وٹیکنالوجی وغیرہ کی تربیت دیتے رہیں۔ ایک تو اس لئے کہ دینی عقائد واعمال کی محنت، دنیا کی ان عارضی وناپائیدار چیزوں پر محنت کرنے سے بدرجہا زیادہ اہم ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ مادی اشیا عقل انسانی کے دائرے اور قابو میں آنے والی ہیں۔ بار بار کے تجربات سے عقل انسانی ہر دور میں نئی سے نئی ایجادات کی طرف خود بخود راہ نکالتی رہتی ہے اس لئے ایسے امور دنیویہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ "انتم اعلم بامور دنیاکم"۔ (بخاری)

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر انسان کے پیدائشی حقائق، موجودات، محاسن ومناظر قدرت اور تسخیر کائنات وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور بہت سی آیات میں زمین، آسمان، پہاڑ، دریا، سمندر، سورج، چاند، ستارے، پانی، بادل وغیرہ کا ذکر کرکے ان میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس بات سے کس شخص کو انکار ہوسکتا ہے کہ ان تمام عناصر ارضی وسماوی کے ذکر سے اصل مقصود اس کارخانہ عالم کے بنانے والے کی قدرت ووحدانیت پر استدلال کرنا ہے اگرچہ دنیوی زندگی میں بلاامتیاز ہر شخص ان مادی اشیا کے فوائد وثمرات سے مستفید ہورہا ہے اور ان جمادات، نباتات، معدنیات وغیرہ کے متعلق آئے دن نئی سے نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں، الغرض کتاب وسنت میں اصلاً تو ایمانیات واخلاقیات کو ہی بیان کیا گیا ہے کہ غرض اصلی اور مقصود بالذات یہی چیز (یعنی دین) ہے البتہ دنیا کا ذکر بھی کیا گیا ہے مگر مقصود بالغیر اور ضرورت عارضی کے درجے میں، اس لئے کہ حقیقت یہی ہے۔

آج کے اس دور جدید کی غلط فہمی یا مغالطہ انگیزی کی روش ملاحظہ ہو کہ دنیوی علوم وفنون کے ادارے (اسکول، کالج، یونیورسٹیاں وغیرہ) جہاں انجینئرنگ وٹیکنالوجی، طب اور ڈاکٹری، زراعت وباغبانی، تاریخ وجغرافیہ، اسٹیکس واکنامکس، صنعت وحرفت، معدنیات کی بابت وارد شدہ آیات واحادیث (مثلاً قل رب زدنی علما... الآیۃ طلب العلم فریضۃ علی کلم مسلم........ الحدیث) کے کتبے لگے نظر آتے ہیں تاکہ یہ باور کرایا جاسکے کہ یہاں جو کچھ سیکھا سکھایا جاتا ہے، ان آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا معنیٰ ومصداق بھی انہیں چیزوں کا سیکھنا سکھانا ہے۔ فیاللعجب اگر یہ تشریح عجیب اور تحقیق انیق درست مان لی جائے تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر حضرات صحابہؓ وتابعینؒ، محدثینؒ ومفسرینؒ، اولیاء اللہؒ وبزرگان دین پر معاذ اللہ یہ فرد جرم عائد ہوگی کہ ان احکامات شرعیہ کا صحیح معنیٰ ومفہوم انہوں نے نہ خود سمجھا اور نہ اس طرف امت کی صحیح رہنمائی کی، ہاں چودہ صدیوں کے بعد سائنسی ومشینی دور کے لوگوں نے ان آیات واحادیث کے صحیح مفہوم کو حقیقی معنوں میں سمجھا۔

دین ومذہب پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ان دنیوی علوم وفنون کا سیکھنا پڑھنا بلاشبہ درست بلکہ ضروری ہے مگر یہ باور کرانا کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول وورود ہی انہیں مادی اشیا کی تعلیم وتربیت کے لئے ہوا، یقیناً ایک بے اصل بات اور کتاب وسنت کے مقصد اصلی سے ناواقف ہونے کی کھلی دلیل ہے، غرض دین ومذہب کا موضوع سخن یہ نہیں کہ نئی ایجادات اور جدید مشینیں کس طرح بنائی جائیں البتہ اسلام اس بات کو بھی قطعاً پسند نہیں کرتا کہ اہل اسلام ضروریات زندگی ودنیوی ترقی میں غیر مسلم اقوام سے پیچھے ہوں اسی لئے دشمنان اسلام سے مقابلہ کرنے کی تیاری کے سلسلے میں فرمایا کہ:

اعدوا لھم ما استطعتم۔ (سورہ انفال)

یعنی اپنے مال واسباب اور عقل وفہم کو کام میں لاکر جدید سے جدید آلات وہتھیار تیار کرو تاکہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے بھی تم غیروں سے پیچھے نہ رہو۔

سو اگر مسلم قوم اپنی سستی وکاہلی، عافیت کوشی وناہلی کی وجہ سے آج اس میدان میں غیر مسلم اقوام سے پیچھے رہ گئی ہیں تو اس میں اس کا اپنا قصور ہے نہ کہ دین ومذہب کا۔ اہل یورپ کی مادی ترقی بھی ان کے مذہب کی رہین منت نہیں اور نہ اس سائنسی تکنیک کا سبق انہیں تورات یا انجیل

(باقی صفحہ...۳۶...پر)

مولانا عبداللہ شاہوانی، خضدار

اے مسلمان تونے تاریخ کیوں بھلادی

آج امت مسلمہ کو اپنی باز آفرینی کا مرحلہ درپیش ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ماضی پر فخر کرنے کے بجائے اپنے مستقبل کو سدھارنے کے لئے اپنے گزرے دور کے رشتے سے ناتا نہ توڑے۔ آج امت مسلمہ حد سے زیادہ پسماندہ دور سے رینگتے ہوئے گزر رہی ہے۔ علامہ اقبال نے امت مسلمہ کے عروج وزوال کے اسی پس منظر میں خوبصورت مگر انتہائی رقت آمیز فکر انگیز شعر کہا ہے۔

خدا ایں سخت جاں را یار بادا
کہ افتادہ است از بام بلندے

یعنی خدا اس سخت جاں امت کا حامی ناصر ہو کیونکہ یہ بہت اونچی جگہ سے گری ہے۔ اور ظاہر ہے جو بھی بہت بلندی سے گرتا ہے تو اسے چوٹ بھی سخت لگتی ہے۔ یہی حال اس وقت امت مسلمہ کا ہے اس کا انگ انگ زخم بن کر رس رہا ہے۔ سمندر کا مدوجزر تو قابل دید ہوتا ہے امت کا عروج وزوال تاریخ انسانی میں کچھ زیادہ فکر افروز اور عبرت آموز ہے۔ مدحیہ قصیدوں کی سزاوار امت اس وقت مرثیوں کی محتاج ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ امیر المومنین عمرؓ رقعہ لکھتے ہیں اور دریائے نیل کا پانی کناروں سے اچھلنے لگتا ہے اور ایک یہ گھڑی ہے کہ ساری دنیا امت کے لئے دشت کربلا بنی ہوئی ہے۔ پیاس کا بجھنا تو دور کی بات ہے، لب تر کرنے کو پانی کا گھونٹ میسر نہیں ہے۔ ایک وہ دور تھا کہ اس امت کی لوح ذہن پر پہلا سبق ''اقرأ'' کا درج تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ سب سے زیادہ جاہلیت اسی امت میں ہے۔ ایک وہ ساعت تھی کہ بھرے مجموعے میں اس کا وجود اجنبی ہے۔ ایک وہ لمحہ تھا کہ یہ امت بیابانوں میں جس جگہ قدم رکھتی، وہاں پر سبزہ زار اُگ آتے۔ آج یہ المیہ ہے کہ گلزار ہستی میں کانٹے کی طرح چبھتی ہے۔ اس کا ماضی وہ تھا کہ اس کے قدموں میں زمین بڑھتی چلی آتی تھی مگر اب وقت یہاں پہنچا ہے کہ اس کے پاؤں تلے سے ہر شے کھسکتی چلی جارہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کچھ لغزشیں اس کی قسمت میں آئیں لیکن کچھ سازشیں دوستوں نے بھی کی ہیں۔ آج اپنے ہوں یا پرائے ہر ایک نے عجب رنگ دھارا ہے۔ ہر مصرع پر گرہ لگائی جارہی ہے کہتے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد ہیں، دوسرا لب کشا ہوتا ہے کہ مسلمان رجعت پسند ہیں۔ ایک کی تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ یہ تہذیب سے ناآشنا ہیں کسی کی نظم کا مطلع ہوتا ہے مسلمان جنگ جو ہیں اور کسی کی غزل کا مقطع کہ مسلمان توہم پرست ہیں۔ یہ طنز وتعریض اپنی جگہ مگر یہ بات مسلم ہے کہ جس وقت جس زمانے میں مسلمان منظم عالمی ریاست تشکیل دے رہے تھے تو یورپ اندھیرے میں سانس لے رہا تھا۔ جس زمانے میں جزیرۃ العرب معلومات عامہ وآگہی کے چراغوں سے جگمگا رہا تھا اس دور میں بحرالکاہل سے اوقیانوس تک کوئی ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ سرزمین حجاز جن دنوں ابر بہار بن کر برس رہی تھی، خطہ یورپ ایک ایک قطرے کو ترس رہا تھا۔ جس عہد میں ابوبکر رازی، البیرونی، بوعلی سینا، امام غزالی، فخرالدین رازی، علامہ تفتازانی، محقق طوسی، یعقوب الکندی، ابن حریر طبری ابن خلدون اور ابن الہیثم کے علم فضل کا آفتاب نصف النہار پر تھا اس وقت فرانس کا بادشاہ شارلیمان اور اس کے لارڈز اپنے نام لکھنے کی مشق میں مصروف تھے۔ طارق بن زیاد نے ۷۱۱ء میں ساحل اندلس پر قدم نہ رکھا ہوتا تو کیا عجب تھا کہ یورپ آج بھی دیومالائی عہد میں سانس لے رہا ہوتا۔ بدوی عرب نہیں بلکہ اسلامی عرب نے ہی یورپ کو علم کی چاٹ لگائی اسی لئے تو برطانیہ

کا نامور سائنس داں راجر بیکن جب اپنے طلبہ سے مخاطب ہوتا تھا تو کہتا کہ حقیقی علم سیکھنا ہے تو پہلے عربی سیکھو۔

مامون الرشید کے عہد میں صرف بغداد شہر میں تمیں ہزار مسجدیں، دس ہزار امام اور آٹھ سو ساٹھ ڈاکٹر تھے۔ سڑکیں روزانہ گلاب اور کیوڑے سے دھوئی جاتی تھیں۔ جب کہ ادھر یورپ میں آج کے تہذیبی مرکز لندن، پیرس اور برلن کی سڑکوں پر فضلے کی ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اہل اسلام دن رات میں پانچ بار نمازوں کے لئے وضو کا اہتمام کرتے ہیں جب کہ اسپین کے بادشاہ نے اپنے گورنر پر یہ الزام لگا کر اسے معزول کردیا تھا کہ وہ روزانہ مسلمانوں کی طرح ہاتھ پاؤں کیوں دھوتا ہے۔ آج یورپ پانچویں صدی عیسوی سے لے کر پندرہویں صدی عیسوی کے زمانے کے ''کوڈارک ایج'' کا نام دیتا ہے لیکن یہ تاریکی صرف یورپ میں تھی۔ امت مسلمہ کے علاقے نور علم اور شعور وآگاہی سے جگمگا رہے تھے۔ اس ہزار سالہ دور میں فاران کی چوٹی سے آفتاب نبوت طلوع ہوا اسی عرصے میں حجۃ الوداع کے موقعے پر انسانی اور بنیادی حقوق کا چارٹر پیش کیا گیا۔ عربی وعجمی اور گورے کالے کے امتیاز کو ختم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ بنی آدم کو رنگ ونسل اور علاقے ووطن کے حوالے سے یاایھاالناس کہہ کر مخاطب کیا گیا اور انسان کو رازالٰہی قرار دیا گیا۔ اسی دوران امام مالک جیسے ائمہ حدیث، طبری وابن خلدون جیسے مورخ اور امام عمرانیات، ابن تیمیہ جیسے نابغہ روزگار، غزالی جیسے متکلم، جنید وبایزید جیسے صوفی، بوعلی سینا جیسے طبیب، فارانی وزاری جیسے عبقری شاعر زمخشری جیسے مفسر، خوارزمی جیسے ماہر فلکیات نظام الملک طوسی جیسے برتر اور ابن قیم جیسے مفکر اور دانشور پیدا ہوئے اور پورے کے پورے عہد کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔

یہ سچ ہے کہ یورپ اس وقت اپنے تاریک ترین دور سے گزر رہا تھا مگر ہمارا وہی دور یونان کی منطق سے ٹکر لے رہا تھا اور امام غزالی فلسفے کے خزانے تعمیر کررہے تھے جب کہ یورپ میں مذہب کے نام پر عقل وخرد اور عزم نو کو سولی پر چڑھایا جارہا تھا۔ ہمارے معاشرے میں جابر بن حیان اور ابن طفیل کو ایک ہیرو کی حیثیت حاصل تھی اور ادھر یورپ میں روسو گلیلیو اور کوپر لیکس کو زندہ جلایا اور موت کے گھاٹ اتارا جارہا تھا۔ یہی وہ دور تھا جب یورپ ظلمت وجہالت کے اندھے غاروں میں اوندھے منہ پڑا ہوا تھا لیکن امت مسلمہ کے زیرنگیں علاقے مساجد ومدارس اور کتب خانوں سے بھرے ہوئے تھے اور بیت الحکمۃ کے نام سے بڑے بڑے علمی ادارے سرگرم عمل تھے۔ ہر ایک شخص کے قلم سے تفسیر، حدیث فقہ، علم الکلام، فلکیات، فلسفہ، منطق، تصوف، میقات، تاریخ، سیاست، فنون لطیفہ، لغت اور لسانیت پر درجنوں کتابیں نکل رہی تھیں۔ صرف طرابلس کی لائبریری میں تین لاکھ کتابیں تھیں۔ ڈاکٹر ڈریپر کی مشہور عالم کتاب معرکہ مذہب وسائنس میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ بغداد عروس البلاد کی لائبریریاں تو اس کے علاوہ تھیں جہاں ایک ایک گھر لائبریری کا منظر پیش کرتا تھا۔ اس ہزار سالہ مدت میں پورے یورپ کی کسی گلی میں ایک لیمپ نصب نہیں تھا مگر ڈاکٹر فلپ کے ہٹی کے مطابق قرطبہ (اسلامی مرکز) انگشتری کے نگینے کی طرح چمک رہا ہوتا تھا۔ اس وقت کے قحط کے زمانے میں لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت فروخت ہوتا تھا جب کہ اسلام میں منبروں پر انسان کی حرمت کو کعبے سے افضل قرار دینے کا درس دیا جاتا تھا۔ آج یورپ اپنی چمک دار تہذیب کا پوری دنیا پر رعب جماتا نظر آتا ہے حالانکہ یہی یورپ تھا جو کچھ ہی عرصہ پہلے مذبح خانے کا منظر پیش کررہا تھا۔

مگر آج امت کو اپنی باز آفرینی کا مرحلہ درپیش ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ماضی پر تو فخر کرے البتہ اس پر کفایت نہ کرے، ساتھ ہی یہ احتیاط بھی ملحوظ رکھے کہ کسی خوش کن مستقبل کے لئے اپنے ماضی سے رشتہ نہ توڑے۔ قوموں پر یہ وقت آتا رہتا ہے۔ مورچہ ہارنے پر دل گرفتہ نہیں ہونا چاہئے۔ پوری جنگ جیتنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہئے۔ امت کے لئے آج بھی امکانات کی ایک وسیع دنیا موجود ہے۔ امکانات پر زیادہ وقت صَرف نہ کرے۔

(باقی صفحہ......۱۸......پر)

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڑھی

دین کے پانچ اہم رکن

عقائد — عبادات — معاشرت — معاملات — اخلاق

ہمارا دین اسلام ہر طرح کامل ہو چکا ہے اور اس کے تمام شعبوں کی تکمیل ہو چکی ہے۔ عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات اور اخلاق، دین کے یہ پانچ اہم جزء ہیں اور شریعت میں جس طرح عقائد وعبادات کی اہمیت ہے۔ اسی طرح معاملات کی صفائی کا بھی بہت اہتمام ہے اور قرآن وحدیث سے اس کی بہت اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کسی نے چھے رتی مال دوسرے کا ناجائز طریقے سے لے لیا یا غصب کر لیا تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سات سو نمازیں چھین کر صاحب حق کو دلوا دیں گے۔ صفائی معاملات میں بڑی زبردست چیز ہے۔ چاہئے کہ ہمارے آپس کے معاملات شریعت کے مطابق ہوں۔ نہ ہم کسی کا حق ماریں، نہ کسی کا مال بغیر اجازت کے صرف کریں اور اس کا اہتمام اسی وقت پیدا ہوگا جب کہ اللہ کا خوف دل میں ہو۔ اصل چیز خوف ہی ہے۔ جب اللہ کا خوف دل میں ہوتا ہے جب ہی معاملات کی صفائی کا بھی اہتمام ہوتا ہے اور معاشرت واخلاق بھی درست کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت جب دل میں آجاتی ہے تو وہ آدمی کے لئے جان ومال سب کچھ قربان کر دینا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سب کچھ قربان کر دیا۔ ہم ان کے حالات میں غور کریں تو معلوم ہو کہ وہ کیسے تھے اور ان کا کیا مقام تھا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کو دیکھنا ہو تو صحابہؓ کی زندگی کو دیکھ لیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے سب کچھ قربان کر دیا اور واقعی محبت کا اصلی نمونہ پیش کر دیا۔ محبت تو محبوب کی مرضی میں مر مٹنے کا نام ہے اور اس کا اصلی رنگ صحابہ کرام ہی نے پیش فرمایا مسلمان کی اصلی شان کیا ہونی چاہئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پیش نظر کیجئے، اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔''

مسلمان وہی ہے جو اللہ ہی کے لئے جیئے اور اللہ ہی کے لئے مرے، من مانی زندگی کو چھوڑ دے، اللہ کا خوف پیدا کرے اللہ کا ذکر کرے، اللہ کی محبت قلب میں پیدا کرے اور جانتے ہیں یہ سب چیزیں کہاں سے حاصل ہوں گی اور یہ دولت کہاں ملے گی؟ اللہ والوں کے پاس جانے سے اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے سے یہ سب کچھ حاصل ہوگا۔ بزرگان دین کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے، اہل اللہ کی صحبت سے انسان کا دل سنور جاتا ہے۔ قلب کی دنیا بدل جاتی ہے اسی بنا پر بڑے بڑے اکابر علماء بزرگان دین کے پاس جاتے تھے اور اپنے قلوب کا علاج کراتے تھے اور شفا پا جاتے تھے اور ان کے قلوب پاک وصاف ہو جاتے تھے وہ اللہ والے ہو جاتے تھے، اللہ کے دوست بن جاتے تھے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے دلوں میں جو امراض ہیں اس کی ہم فکر کریں اور اللہ والوں کے پاس جا کر اس کا علاج کریں اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے اولیا کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

''یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز

رکھتے ہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے۔ اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے اولیا وہ لوگ ہیں جن کا ایمان کامل ہے، اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کی زندگی تقویٰ کی زندگی ہے، وہ متقی اور پرہیزگار ہیں، کبائر سے بالکل اجتناب کرتے ہیں۔ صغائر سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر بشریت سے خطا ہو جاتی ہے تو سچی توبہ کرتے ہیں دل سے نادم ہوتے ہیں، اللہ سے معافی مانگتے ہیں، روتے گڑگڑاتے ہیں۔ توبہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں حالانکہ توبہ کی منزل بڑی سخت منزل ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے توبہ کی گھاٹی کو بہت سخت پایا۔ سچی توبہ بہت مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر اس کے بعد اپنی زندگی کو تبدیل کر دے، عمل صالح اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے اور اپنی نظر کو، اپنی پسند کو، اپنی رائے کو چھوڑ دے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کا خوف اپنے دل کے اندر پیدا کرے۔ تھوڑا وقت نکال کر کبھی کبھی کسی اللہ والے کی مجلس میں جائے، ان کی صحبت میں بیٹھے پھر خود ہی دیکھ لے گا کہ اس کے دل کی دنیا بدلتی ہے یا نہیں۔ آج ہمارے دل میں آخرت کا یقین باقی نہیں، خدا کے سامنے پیشی کا استحضار نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص یہ دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے؟''

یہ صرف زبان سے کہنے سننے کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ کیفیت اور حال طاری ہو جائے کہ اللہ کے سامنے جانا اور اس زندگی کا جواب دینا ہے ہم کچھ نیکی کر لیں، قیامت میں نیکیاں ہی کام آئیں گی اور کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب یہ انبیا علیہم السلام کی دعوت ہے اور ایمان والوں کو بھی اسی کا حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتاتے اور بری باتوں سے روکتے ہو۔''

حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم اس میں شامل ہونا چاہتے ہو تو اس کی شرط کو بھی پوری کرو۔ یعنی جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرو گے خیر امت میں شامل نہیں ہو سکتے۔ تم دنیا جہان کے لئے نمونہ بنا کر کھڑے کئے گئے ہو تو نمونہ بن کر دکھاؤ تم خود بھی اوامر کی پابندی کرو اور دوسروں کو اس کا حکم کرو اور خود بھی نواہی سے بچو اور دوسروں کو بھی بچنے کی تاکید کرو۔ اس امت کا وظیفہ یہی ہے کہ وہ خود معروف کو اختیار کرے اور اس کا سارا کام اللہ ورسول کی مرضی کے مطابق ہو اور معروف میں اپنے کو فنا کر دے۔ اسی طرح منکرات سے بچے اور اس کو سوچے کہ گناہ کرنے سے اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ امم سابقہ پر اسی وجہ سے طرح طرح کا عذاب آیا، کسی پر پانی کا عذاب آیا اور غرق کر دیئے گئے، کسی پر آگ برسادی گئی جل کر ختم ہو گئے۔ کسی کی صورت بدل دی گئی، آدمی سے بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے۔

آج کون سا گناہ ہے جو ہم نہیں کر رہے ہیں، آپ مانیں یا نہ مانیں مگر واقعہ یہی ہے کہ آج عام طور سے ہم لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں اور پھر بھی مطمئن اور بے فکر ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا خوف ہمارے دل سے نکل گیا ہے۔ میں اپنے لئے خود کہتا ہوں کہ وہ خوف ہمارے دلوں میں نہیں رہا جو ہمارے اکابر میں تھا۔ وہ قرآن سن کر لرز جاتے تھے، اللہ کے خوف سے کانپنے لگتے تھے اور مومن کی یہی شان ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب لرز جاتے اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سچے ایمان

والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔"

ان صفات کو ہم اپنے اندر پیدا کریں۔ اللہ کا خوف، اللہ کی محبت پیدا ہوجائے تو سارا کام بن جائے۔ مسائل کو علما سے سیکھیں اور پوچھ پوچھ کر عمل کریں۔ بزرگان دین نے تصوف کی تعریف اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ اس کو جائز ناجائز کی فکر پیدا ہوجائے یعنی یہ فکر پیدا ہوجائے کہ کون سی چیز جائز ہے کہ ہم اس کو کریں اور کیا چیز ناجائز ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دیں۔ سبحان اللہ۔ کیسی جامع تعریف ہے ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے اندر وہ فکر پیدا کریں۔ ہر مسلمان کو یہ فکر پیدا کرنی چاہئے اور ہر شخص اس کا مکلف ہے خواہ مرد یا عورت جوان ہو یا بوڑھا ہر ایک میں یہ فکر ہونی چاہئے کہ اس کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھے اور اس کا سب وقت اللہ کے قانون کی فرمانبرداری میں گزرے، اللہ کی کتاب پر عمل کرے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرے اس کی زندگی ایسی بن جائے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف کرنے پر اس کو ندامت ہو خدا کا خوف پیدا ہوجائے، قیامت کا یقین ہوجائے۔ اللہ سے ڈر جائے، پھر دیکھئے کیا سے کیا بن جائے۔ سب سے بڑی کامیابی تو یہی ہے کہ قیامت کے دن عذاب جہنم سے بچ جائیں۔ "ذالک ھو الفوز العظیم" مگر آج ہمارے دلوں میں نہ جہنم کا خوف باقی رہا نہ جنت کا شوق باقی رہا۔ اگر ہے تو مبارک ہو، نہیں ہے تو رونے کا مقام ہے۔ روئیں اور اللہ سے دعا مانگیں کہ یا اللہ! ہم کو اپنی محبت دے، اپنا خوف دل میں ڈال دے، نافرنی سے بچنے کی ہم کو توفیق دے، ہم دین کے لئے نکلیں، دین کا کام کریں، دین کی تبلیغ کریں۔ لوگوں کو دین کی طرف بلائیں تھوڑا وقت اللہ کی راہ میں نکالیں اس ماحول سے نکلیں، اللہ والوں کے پاس جائیں پھر دیکھیں کہ دل کی دنیا کیسی بدل جاتی ہے۔ ارے بھائی! یہ دنیا مٹ جانے والی فنا ہوجانے والی اور چھوٹ جانے والی ہے فانی سے کیا دل لگانا، اصل دولت باقی ہے، صحابہ و تابعین کا، ہمارے بزرگان دین کا یہی حال تھا کہ آخرت کا ان کو یقین تھا، آخرت ہی کے لئے وہ اعمال اختیار کرتے تھے اور خلوص سے کرتے تھے۔ بزرگان دین کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کی زندگی تقویٰ کی زندگی ہے، اللہ کی بندگی ہے پھر بھی روتے اور ڈرتے رہتے ہیں۔ ہم لوگ نافرمانی کرکے ہنستے ہیں۔ کھا پی کر مست ہوکر سو جاتے ہیں اللہ کو راضی کرنے کی فکر نہیں کوئی پرواہ نہیں، بھائی، ایسی زندگی تو نہایت خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو، سب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم دین پر عمل کریں۔

❖❖

بقیہ...... اے مسلمان تونے تاریخ....

شاخ نازک پر قائم یورپی آشیانے کی ناپائیداری اب آہستہ آہستہ واضح ہورہی ہے۔ جس طرح یورپ نے ہمارے علوم اپنے ہاں منتقل کئے تھے ہم بھی مغربی علوم کو مشرف بہ اسلام کریں۔ ہمیں مغرب کے حوالے سے دریوزہ گری کے بجائے خودنگری کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور حقائق سے چشم پوشی کے بجائے اپنی کوشی کا علاج کرنا چاہئے۔ ہمارے ہاں یہ رواج رہا ہے کہ ہم صرف یورپ کی پاپ سنگنگ پر جھوم رہے ہیں، ان کے تحقیقی کام پر توجہ نہیں دے رہے۔ ہمیں صرف یورپ کے ست موال لڑکے بالے نظر آتے ہیں لیبارٹریوں میں سر جھکائے بوڑھے نہیں دکھائی دیتے جو یورپ کے فکری چہرے کا غازہ ہیں ہم اب بات پر تلے نظر آتے ہیں کہ ہم اپنے معاشرے کو خلط ملط کرکے دم لیں گے۔ ہالی ووڈ کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔ اور کودنے جھومنے کا کلچر اپنائیں گے۔ یورپ کا تہذیبی و فکری غلبہ ان باتوں سے نہیں بلکہ سائنسی اپروچ کے نتیجے میں ہوا ہے۔ ہم مغرب کے طعنوں سے گھبرا کر اپنا روپ نہ بگاڑیں بلکہ اپنی بستی کے کھنڈر پر اپنی عظمت و شجاعت کی عمارت اٹھائیں جس کی دیواروں کے رنگ و روغن کو گردش ایام نے متحرک کردیا ہے ورنہ بنیاد بحمد اللہ اب بھی مضبوط ہے۔

●●

مولانا اختر امام عادل قاسمی

مسلمانوں کے زوال کے اسباب

ایک وقت وہ تھا جب مسلمانوں کی ایجادات واختراعات نے یورپ کی آنکھیں چکاچوند کردی تھیں۔ مسلمانوں کے علوم وفنون نے ساری دنیا سے اپنا سکہ منوالیا تھا، لوگ دور دراز کا سفر کرکے اسلامی ممالک پہنچتے تھے کہ دیکھیں اور سراغ لگائیں کہ وہ اسباب وعلل کیا ہیں؟ جن کی بنا پر مسلم قوم کو ہر میدان میں زبردست کامیابیاں مل رہی ہیں اور وہ کیسے زینے ہیں؟ جن پر چڑھ کر اسلامی ممالک ترقی کے آسمان سے باتیں کررہے ہیں۔ اس جذبے نے یورپ کی کھیپ درکھیپ کو اسلامی اندلس اور دوسرے مسلم ممالک کا راستہ دکھایا۔ یہاں تک کہ ایک وہ وقت بھی آیا کہ عرب کی روشنی نے مغرب کا راستہ صاف کیا جہالت کی تاریکیاں اور نفرت وتعصب کی رکاوٹیں دور کردیں۔ اور ایک مغربی مصنف "زیگرید ہوں گی" نے اپنی کتاب میں عنوان قائم کیا کہ:

"عرب کا آفتاب اب مغرب پر طلوع ہورہا ہے۔"

زوال کا آغاز

پھر کیا ہوا؟ ہوا یہ کہ وہ آفتاب ہمیشہ کے لئے مغرب ہی میں قید ہوکر رہ گیا، ہمارا آفتاب جو اس کو روشنی دینے گیا تھا مغرب نے اپنی تدبیروں سے اس کو اپنے پاس ہی روک لیا۔ آج روشنی اس کے پاس پھیل رہی ہے اور ہم دور دراز سے چھن چھن کر آنے والی شعاعوں کی مدد سے مستقبل کی تاریک راہوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

بارہویں صدی عیسوی سے جو مسلمانوں کے علم وفن کا زوال شروع ہوا وہ چودھویں صدی کے وسط تک نقطۂ آخر تک پہنچ گیا، جس قوم نے طب، جغرافیہ، فلکیات، ریاضیات، الجبرا اور طبعیات میں سے کسی کو اپنی طبع آزمائی سے آزادانہ چھوڑا تھا، چودھویں صدی تک آہستہ آہستہ سب چھوڑ دیا، یہاں تک کہ طبعیات جن کی ترقی سے یورپ ایجادات کے موجودہ معیار تک پہنچ سکا ان سے دلچسپی یہ کہہ کر کم کردی گئی کہ ان کا تعلق چونکہ ہمارے دین ومذہب سے نہیں ہے اسلئے ان کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔

علامہ ابن خلدون چودھویں صدی عیسوی ہی کے مورخ ہیں وہ اپنے دور کے حالات، مسلمانوں کے اجتماعی مسائل اور علوم وفنون کے ارتقاءات پر بحث کرنے کے بعد آخر میں مسلمانوں کا مشترکہ احساس طبعیات کے بارے میں نقل کرتے ہیں۔

"مگر یہ کہ طبعیات کے مسائل کا تعلق ہمارے دینی امور سے نہیں ہے اس لئے ہمیں ان کو چھوڑ دینا چاہئے۔"

(مقدمہ ابن خلدون)

مسلمانوں نے فکری بزدلی کا یہ راستہ کیوں اختیار کیا، بظاہر اس کے دو قسم کے اسباب معلوم ہوتے ہیں۔

فکری انحطاط کے اسباب

(۱) خارجی اسباب۔ (۲) داخلی اسباب۔

(۱) خارجی اسباب سے مراد یہ ہے کہ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی قیادت میں تاتاریوں کے مسلسل اور خطرناک حملوں نے مسلمانوں کے ہوش وحواس گم کردیئے اور وہ اپنے بنیادی مسائل کو بھی سوچنے کے قابل نہ رہے۔ دوسری طرف صلیبی جنگوں نے مسلمانوں کو عرصے تک پریشان رکھا، تیسری جانب بہت سے جغرافیائی انکشافات نے مغرب کو عربوں سے آگے بڑھ جانے پر آمادہ کیا۔

ان تمام اسباب نے ایک ساتھ مل کر مغرب کو آگے بڑھایا اور مسلمانوں کے اندر فکری بزدلی کا احساس پیدا کردیا۔

(۲) اور داخلی اسباب یہ تھے کہ انگریزوں کی دسیسہ کاریوں اور سازشوں سے مسلمانوں میں فرقہ بندیاں پیدا ہوئیں، مغرب کے تمام وسائل مسلمانوں کی

اندرونی طاقتوں کو کھوکھلا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں میں فکری، مذہبی اور سیاسی انتشار پیدا کرنے کی انتھک کوششیں ہو رہی تھیں۔ مگر مسلمانوں کا اعلیٰ جس اس قدر غافل اور بیوقوف ہو گیا تھا کہ اس کو اندرونی سازشوں کا کوئی علم ہی نہ تھا، یا علم رکھتے ہوئے بھی اپنے ضمیر کا سودا کر چکا تھا۔ آخر مسلمان مذہبی لحاظ سے بھی سیکڑوں فرقوں میں بٹ گئے۔ اور سیاسی اعتبار سے بھی وہ انتشار کا شکار ہو گئے جس کے نتیجے میں سلطنت عباسیہ کمزور ہو گئی، عالم اسلام ٹکڑوں میں بٹنے لگا، امت کے قائدین جن کی محنتیں سیاسی اور فکری اتحاد پیدا کرنے میں صرف ہونی چاہئے تھیں۔ وہ ملکی اور گروہی مسائل کو حل کرنے میں لگی ہوئی تھیں، دجلہ وفرات کے کناروں پر جب صنعتی فیکٹریاں کھولنے کی ضرورت تھی تو اس وقت وہاں مناظرے اور مشاعرے کی محفلیں گرم تھیں۔ مثلاً

ابن مریم مرگیا یا زندہ جاوید ہے؟
ہیں صفات ذات حق، حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد، جس میں ہوں فرزند مریم کی صفات
اس کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟

یہ صورت حال مسلمانوں میں مدتوں باقی رہی، ترکی میں خلافت عثمانیہ، ایران میں حکومت صفویہ اور ہندوستان میں مغل بادشاہوں کی تاریخ الٹ کر دیکھئے کہ مسلمان فکری اور علمی لحاظ سے کس قدر محدود اور منتشر نظر آتے ہیں۔

آخر کار مسلمانوں کی فکری صلاحیتوں نے دم توڑ دیا اور مسلم قوم پوری کی پوری یورپ کی غلام بن کر رہ گئی اور شیطان کا وہ کھیل پورا ہو گیا جو اس نے ان نتائج کو پیدا کرنے کے لئے شروع کیا تھا۔

تم اے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اس میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

آج اگر ہم صرف ہندوستان کا نہیں، بلکہ پوری عالم اسلام کا جائزہ لیں تو مسلمانوں کا بنیادی روگ، فکری انحطاط اور قوت عملیہ کا زوال نظر آئے گا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے حقیقی اسباب سے تو خدا ہی واقف ہے۔ لیکن ظاہری طور پر اس کے چند اسباب وعوامل نظر آتے ہیں۔

موجودہ زوال کے چند عوامل

۱- قرآن پاک اور اس کی تعلیمات سے دوری قرآن نے مسلمانوں کے اندر جس حرکت علم وعمل کی بنیاد ڈالی تھی وہ آج ان سے مفقود ہے۔

۲- مسلمانوں کی اجتماعی محنتوں کا رخ تبدیل ہو جانا، اسلامی اداروں اور حکومتوں کو اپنے جو وسائل تجدیدی اور اختراعی علوم پر خرچ کرنا چاہئے تھا اور جن کی بہ دولت علم وفن کے نئے زاویے پیدا کئے جا سکتے تھے وہ آج عام رائج الوقت، علوم وافکار کا ترویج واشاعت پر خرچ ہو رہے ہیں جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی اختراعی فکر اور ایجاداتی صلاحیت مردہ ہو کر رہ گئی۔

۳- اصول تعلیم وتربیت میں مغرب کا پابند ہو جانا۔ مسلمان اپنی ذہین نسلوں کو انگریزی جامعات اور اداروں میں داخل کر کے انہیں کے نہج پر تعلیم دلاتے ہیں۔ اس کے بغیر ان کے نزدیک تعلیم مکمل ہی نہیں ہوتی اور نہ ان کی دماغی تربیت ہو پاتی ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ خود مسلمان جو کالج اور یونیورسٹیاں قائم کرتے ہیں ان کا نصاب تعلیم بھی مغرب سے ہی مستعار ہوتا ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کے اندر استقلالی ذہنیت اور اختراعی صلاحیت فنا ہوتی جا رہی ہے۔

۴- مسلم اداروں بلکہ پورے عالم اسلام سے آزادئ ضمیر کا فقدان، اسلامی اداروں اور ممالک میں علمی وفکری کام کرنے والوں کے لئے جو آزادئ ضمیر ہونی چاہئے اور جس طرح کا تعاون ان کو ملنا چاہئے وہ موجود نہیں ہے۔ بلکہ گہری اور سنجیدہ فکر رکھنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ ضمیر کی آواز کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کوئی شخص ان کے نزدیک آزادی کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر نہیں کر سکتا، علمی مراکز اور تحقیقی اداروں کی ساتھ بے التفاتی برتی جاتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان خود اپنوں ہی کے ہاتھوں اپنے ہی ماحول میں گھٹتے اور

لٹتے جا رہے ہیں۔

آہ!

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۵- عالم اسلام کو منتشر اور باہم برسرپیکار رکھنے کی مغربی سازش بھی ایک بڑا سبب ہے مغرب کی چال ہر دور میں یہ رہی ہے کہ مسلمان آپس میں اتحاد کے ساتھ نہ رہیں۔ ایک ملک دوسرے ملک کے ساتھ، ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے ساتھ، ایک خاندان دوسرے خاندان کے ساتھ، ایک فرقہ دوسرے فرقے کے ساتھ، یہاں تک کہ ہر فرد دوسرے فرد کے ساتھ برسر جنگ رہے۔ اور ان کی طاقتیں آپس میں ٹکرا کر فنا ہوتی رہیں۔ کیونکہ اہل مغرب خوب جانتے ہیں کہ جس دن مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو جائے گا وہ دن ان کے لئے منحوس ترین دن ہوگا اور تاریخ صلاح الدین ایوبی کا عہد دوہرانے لگے گی۔ اس لئے وہ مختلف عنوانات سے آپس میں جنگیں کراتے ہیں، ہر ایک کو اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہیں جنگ کے ہتھیار فراہم کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو ہاتھ باطل کی گردن پر پڑنا چاہئے تھا اور جس تلوار سے دشمن کی شہ رگ کاٹنی چاہئے تھی۔ وہ اپنے ہی مسلم بھائیوں کی گردنیں کاٹنے اور ان ہی کی لاشیں تڑپانے میں مصروف ہیں۔ اور اس پر مغرب ان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے تو وہ پھولے نہیں سماتے فیا اسفاہ۔

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

۶- اسلحہ جنگ اور دوسری مصنوعات کے لحاظ سے مسلمانوں کا خود کفیل نہ ہونا مسلمان استعمال کی چیزوں اور جنگ کے ہتھیاروں کے باب میں بالکلیہ یورپ کے محتاج ہیں جب کہ اسلامی ممالک میں تمام خام ذخائر موجود ہیں اور انہی ذخائر سے یورپ اپنے یہاں ہتھیار اور اسباب تیار کر رہا ہے۔ مگر مسلمان ان سے خود کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے جو دولت یہ ہتھیاروں اور مصنوعات کو خریدنے میں صرف کرتے ہیں اتنی مقدار میں وہ بہترین افراد اور اچھی صنعتی فیکٹریاں تیار کر سکتے ہیں جن میں دنیا کی ہر طرح کی چیزیں اور ہر قسم کے معیاری اسلحہ جنگ تیار ہو سکتے ہیں مگر مسلمان محنت کرنا نہیں چاہتے وہ راحت پسند ہو گئے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ وہ دوسروں کے دست نگر بن کر رہ گئے ہیں۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

۷- مسلمانوں میں سچے ہمدردوں اور بہی خواہوں کی کمی آج یہ مسلمانوں کی بڑی دردناک تاریخ بنی ہوئی ہے یہ مسلمان اپنوں اور غیروں کے درمیان تمیز کرنے کا شعور نہیں رکھتے وہ غیروں کو اپنا اور اپنوں کو غیر سمجھ لیتے ہیں۔ جو ان کے ارتقا اور استقلال کی کوشش کرتے ہیں ان کو یہ اپنا باغی تصور کرتے ہیں اور جو ان کو ہر طرح سے معطل کر کے اپنا غلام بنائے رکھنا چاہتے ہیں ان کو یہ اپنا ہمدرد، بہی خواہ، نجات دہندہ اور نہ معلوم کیا کیا سمجھنے لگتے ہیں آج اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ سچے مخلصوں اور ہمدردوں کی خدمات سے محروم اور غیروں کی سازشوں اور گندی پالیسیوں کے شکار ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

۸- مسلمانوں کی نگاہ سے خود ان کا اپنا مقام اوجھل ہو جانا مسلمان اس سے بالکل غافل ہو گئے ہیں کہ ان کو خیر امت بنا کر کیوں بھیجا گیا تھا۔ قرآن کا یہ پیغام ان کے کانوں کے لئے اب بالکل اجنبی اور نامانوس بن چکا ہے کہ:

"تم سب سے بہتر امت ہو جس کو لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہے تا کہ تم نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے روکو۔" (الآیہ)

اگر مسلمان اپنے اس منصب سے واقف ہوتے اور قرآن کی اس آواز کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت ہوتی تو وہ آپس میں الجھنے کے بجائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پلیٹ فارم پر جمع ہو جاتے پھر خدا کی مدد ان پر نازل ہوتی، غیروں کی سازشیں ان پر کھل کر سامنے آ جاتیں، کفر کی ظلمتوں کا سایہ ان کے آفاق سے چھٹ جاتا اور یہ غیروں کے محتاج ہونے کے بجائے پورے عالم کے خود مختار حکمراں ہوتے مگر شیطان نے ان کے جوہری

(باقی صفحہ ۔۔۔۳۸۔۔۔۔۔۔پر)

یادگارِ ماضی

سیولن مرنی
ترجمہ : کاشف زبیر

مسلمانوں نے اسپین فتح کرنے کے بعد آٹھ سو سال حکومت کی۔ اس دوران میں انہوں نے علم و حکمت اور تعمیر و ترقی کے نئے باب رقم کئے۔ بعد میں جب عیسائیوں کا دورِ حکومت آیا تو تعصب کا پودا اس قدر سرسبز ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی تمام یادگاریں بھی مٹانے کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ ایک عیسائی محقق کے دل میں جب اسلامی طرزِ تعمیر کا عشق جاگا تو اس نے اسپین جانے کا ارادہ کر لیا۔ زیرِ نظر تحریر اس کے تازہ مشاہدے کا نچوڑ ہے جو ہمیں پانچ سو گیارہ سال پہلے کے مناظر دکھاتی ہے۔

اسپین کے آخری مسلم حکمران، والی غرناطہ ابو عبداللہ نے مڑ کر الحمرا کی پرشکوہ عمارت پر ایک نظر ڈالی۔ وہ آخری بار اس جگہ کو اپنی آنکھوں میں بسا لینا چاہتا تھا جہاں اس کے آباء و اجداد نے صدیوں حکومت کی تھی اور اب وہ خود اپنے ہاتھوں سے یہ جگہ شاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کے حوالے کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں دھندلانے لگی تھیں۔ ابو عبداللہ کی والدہ مادرِ ملکہ پاس ہی کھڑی تھیں۔ انہوں نے بیٹے کی آنکھ میں آنسو دیکھ کر یہ تاریخی الفاظ کہے تھے۔

''ابو عبداللہ جس جگہ کو تم مردوں کی طرح لڑ کر نہیں بچا سکے اب اس پر عورتوں کی طرح آنسو کیوں بہاتے ہو؟''

والی غرناطہ ابو عبداللہ کے اسپین سے رخصت ہو کر افریقہ جاتے ہی اسپین سے مسلم سلطنت کا آخری چراغ بھی بجھ گیا تھا اور اب پورے اسپین پر عیسائیوں کی حکمرانی تھی۔ وہ آٹھ سو سال پہلے بھی اس ملک کے حکمران تھے جب مسلمانوں نے جنوبی اسپین فتح کر ڈالا اور آٹھ سو سال تک پورے شان و شوکت سے اس پر حکومت کرتے رہے۔

۱۴۹۲ء میں ابو عبداللہ کے اقتدار کے خاتمے کے بعد آج سن ۲۰۰۳ء میں اس بات کو پانچ سو گیارہ سال گزر چکے ہیں لیکن جانے والے آج بھی غرناطہ اور جنوبی اسپین کے دوسرے شہروں میں اسلامی تمدن کو زندہ پاتے ہیں۔ جس کے انمٹ نقوش اس ملک میں جا بہ جا بکھرے ہوئے ہیں۔

میں سیولن مرنی بچپن سے الحمرا کے عشق میں گرفتار تھا۔ میں نے اس کی تصویریں دیکھیں اور اسلامی عظمت کی یہ تعمیر فوراً ہی میرے دل پر نقش ہو گئی تھی۔ ۱۹۸۵ء میں جنوبی اسپین کے اسلامی طرزِ تعمیر پر دلچسپی پیدا ہو گئی تھی لیکن مجھے اسپین جانے کا موقع بہت بعد میں ملا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں، میں نے انگلینڈ میں اپنا تحقیق مقالہ مکمل کیا جس پر مہربانی فرما کر یونیورسٹی آف لندن نے مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری دی تھی۔ اس کے بعد میں نے اسپین کے اسلامی دور پر کتابیں کھنگالنا شروع کر دیں۔ آپ یقین کریں، اس کام میں مجھے پورے آٹھ سال لگے۔ اسپین میں اسلامی ورثے، ثقافت، معاشرت، سائنس، طرزِ تعمیر، فلسفہ، موسیقی، شاعری اور عمرانیات کے موضوع پر لاکھوں کی تعداد میں کتابیں لکھی گئی تھیں، ان میں سے ننانوے فیصد اب نایاب ہو چکی ہیں لیکن جو باقی ہیں وہ اسپین کے اس روشن دور کی وضاحت کرنے کے لئے ضرورت سے کافی زیادہ ہیں۔ میں نے بے شمار کتابیں دیکھ ڈالیں۔ اس سے میرے ذہن میں اسلامی دور، اس کے لوگوں اور مسلم حکومتوں کا ایک خاکہ سا کھنچ گیا۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے خود جا کر اس دور کے آثار کو قریب سے دیکھنا چاہئے۔

پندرہویں صدی کے آخر میں جب اسپین کے عیسائی حکمرانوں نے مسلمانوں کو یہاں سے بے دخل کیا تو کئی صدیوں کے انتقامی جذبے کے تحت انہوں نے اسپین سے مسلم یادگاروں کو مٹانا شروع کر دیا۔ انہوں نے بے شمار اعلیٰ درجے کی تعمیرات تباہ کر دیں اور لاکھوں کتابوں کو جلا ڈالا۔ ایک پرشکوہ تہذیب رکھنے والا ملک یکا یک ہی قرونِ اولیٰ کے دور میں پہنچ گیا۔ تعلیم، سائنس اور تعمیرات کے شعبوں میں مسلمانوں کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا، عیسائی اسے پُر نہ کر سکے کیونکہ وہ تعلیم اور سائنس کو مسلمانوں کا ورثہ سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سائنس اور تعلیم کے معاملے میں یورپ کے باقی ملکوں سے خاصے پیچھے رہ گئے تھے۔

ایک جاہلانہ تعصب نے اسپین کو ترقی کے معاملے میں صدیوں پیچھے دھکیل دیا۔ یہی نہیں بلکہ متعصب عیسائیوں نے جاہل پادریوں کی قیادت میں مسلم یادگاروں کو مٹانا شروع کر دیا۔ اعلیٰ درجے کی تعمیرات تباہ کر دی گئیں۔ تعلیمی ادارے اور سائنسی تجربہ گاہیں بند کر دی گئیں۔ انہیں مسمار کر دیا گیا یا پھر گھوڑوں کے اصطبل اور باڑوں میں بدل دیا گیا۔ تقریباً ہر مسجد گرجا گھر میں تبدیل کر دی گئی اور اسے گرجے کی صورت دینے کے لئے ان مسجدوں کے حسن کو تباہ کر دیا گیا۔ حسین ترین خطوط میں لکھی گئی قرآنی آیات مٹا دی گئیں یا انہیں سرے سے توڑ دیا گیا۔ اکثر مینار ڈھا دیئے گئے اور گنبدوں کی صورت بدل دی گئی۔ ان تبدیلیوں سے بے شمار عمارتیں اپنا فنی حسن کھو بیٹھی تھیں لیکن آج بھی سیاح جب ان گرجا میں بدل دی جانے والی عمارتوں کو دیکھنے کے لئے جاتے ہیں تو وہ ان کے حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

چار صدیوں سے زیادہ عرصے مسلمانوں اور مسلم یادگاروں کے خلاف یہ مہم جاری رہی جس کا آغاز شاہ فرڈی نینڈ نے الحمرا کے سامنے ایک بھدی گوتھک..... انداز کی عمارت بنا کر کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ملکہ ازابیلا تھی جس نے شاہ کو الحمرا ڈھانے سے روک دیا تھا۔ اس نے شاہ سے صاف کہہ دیا کہ وہ اتنی حسین عمارت ڈھانے سے بہتر سمجھتی ہے کہ اسپین کا سب سے بڑا گرجا گھر ڈھا دے حالانکہ ملکہ کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کٹر عیسائی تھی اور اس کے دربار میں پادریوں کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔

اس صدی کے آخری نصف عرصے میں اسپین کے لوگوں میں پہلی بار یہ احساس پیدا ہوا کہ انہیں اسپین کے مسلم ورثے کے بارے میں جاننا چاہئے اور اس کی حفاظت کرنی چاہئے۔ صدیوں سے جاری تعصب کی لہریں اب دم توڑ رہی ہیں اور اسپین کی نئی نسل بلا تعصب، مسلمانوں کی ان یادگاروں کو اسپین کا ورثہ تسلیم کر رہی ہے۔ بے شمار عمارتوں اور دیگر تعمیرات کو ان کی اصل صورت میں بحال کرنے کا کام جاری ہے۔ جھوٹ کا پردہ چاک کر کے پہلی بار یہ اعتراف کیا جا رہا ہے کہ مسلم دور قدیم اسپین کا زریں دور تھا اور اسے نظر انداز کر کے عیسائیوں نے نقصان اٹھایا تھا۔ اسلامی ورثے پر تحقیق کے لئے بے شمار ادارے قائم ہو چکے ہیں اور اسپین میں مسلم کلچر ایک بار پھر احیا پذیر نظر آتا ہے۔

جب میں نے غرناطہ دیکھا تو مجھے لگا کہ میں پانچ صدی پہلے کے مسلم دور میں پہنچ گیا ہوں۔ اس کی تاریخ جو میں نے پڑھی اور اپنے ذہن میں بسا لی تھی، غرناطہ اس سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ ثقافت اور تعمیرات کے لحاظ سے اس علاقے میں پانچ صدیوں سے کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی، آج بھی ہونے والی تعمیرات میں یورپی انداز کے بجائے مسلم اسپین کی ثقافت جھلکتی ہے۔ سوائے کچھ بے حد جدید تعمیرات کے جو امریکی طرزِ تعمیر سے زیادہ متاثر آتی ہیں لیکن اسپین کی پرشکوہ مسلم تعمیرات کے مقابلے میں یہ بھی بجھی بجھی سی نظر آتی ہیں۔ پانچ صدیوں کے فرق کے باوجود اسپین آج بھی ان تعمیرات کا جواب دینے سے قاصر نظر آتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اسپین کی نئی نسل مذاہب کے فرق سے قطع نظر اپنے ماضی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

الحمرا کے پہلے نظارے نے مجھے اپنا اسیر کر لیا تھا۔ کیا کرۂ ارض کی کوئی تعمیر اس قدر دلکش اور دل کھینچ لینے والی ہو سکتی ہے جتنی کہ الحمرا ہے۔ ایک بلند پہاڑی پر واقع یہ پرشکوہ محل سورج کی ڈوبتی کرنوں میں سنہری رنگ میں نہایا ہوا لگ رہا تھا۔ اس تک جانے کے لئے ایک پتھریلا راستہ پہاڑی تک جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے یہاں پر سنگ مرمر کی سیڑھیاں اور گھوڑوں اور گاڑیوں کے لئے ڈھلانی راستہ تھا۔ مگر غرناطہ قبضے کے بعد وحشی عیسائیوں نے یہ راستہ برباد کر دیا۔ وہ الحمرا کی بربادی کے درپے بھی تھے اور شاید اسے مسمار

کر کے دم لیتے اگر شاہ اور ملکہ کی طرف سے ایسا کرنے والے کو سزائے موت دینے کا اعلان نہ کیا جاتا۔ بعد میں یہ پتھریلا راستہ بنایا گیا جو دیکھنے میں اتنا ہی بھدا نظر آتا ہے جتنی شاہ فرڈی نینڈ کی بنائی گوتھک طرز تعمیر کی عمارت جو الحمرا کے سامنے ایسی ہی ہے جیسے کسی حسین ہرے بھرے جنگل کے سامنے ریت اڑاتا صحرا ہو۔

یہ عالی شان عمارت سلطانوں کا مسکن رہی تھی۔ الحمرا کے پائیں باغ میں بیٹھ کر میں گھنٹوں سوچتا رہا تھا کہ اتنی حسین عمارت کے بنانے والے کتنے خوبصورت اور فن کارانہ ذہن کے مالک ہوں گے۔ یہ فروری کا مہینہ تھا لیکن حیرت انگیز طور پر غرناطہ کا موسم خوشگوار تھا۔ درجہ حرارت پندرہ سے بیس ڈگری سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا تھا۔ جب کہ کچھ ہی فاصلے پر سیرانوادا پہاڑیوں پر برف پڑی تھی۔ اسپین آنے والے اولین مسلمان صحراؤں کے باشندے تھے اور وہ زیادہ سردی کے عادی نہیں تھے لہٰذا انہوں نے خوب دیکھ بھال کر غرناطہ کے مقام پر یہ شہر بسایا تھا۔ جہاں سال کے سرد ترین موسم میں بھی زیادہ سردی نہیں ہوتی ہے۔ میں نے فضا میں پھولوں اور سبزے کی مہک محسوس کی۔ مسلمانوں نے الحمرا میں ایسے پودے اور درخت لگائے تھے جو سال کے بیشتر حصے میں ہرے رہتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ الحمرا میں سبزہ موجود تھا جب کہ بہار آنے میں ابھی ایک مہینہ باقی تھا۔

اگر آپ باغ سے دیکھیں تو ساٹھ میٹر نیچے غرناطہ کا شہر شروع ہو جاتا ہے۔ اس جگہ سے شہر کے مکانوں کی چھتیں صاف نظر آتی ہیں۔ دور تک پھیلے شہر اور جا بہ جا لیموں اور زیتون کے باغات کو بہ خوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ پورے اسپین میں جا بہ جا نارنگی اور سنگترے کے باغات ملتے ہیں لیکن جنوبی اسپین میں زیتون کے درختوں کی بہتات ہے۔ یہ بھی مسلم اسپین کی نشانی ہیں۔

میں باغ کے جس حصے میں بیٹھا تھا، اس کے سامنے پتھروں کی ایک دیوار کے اوپر اچانک ہی محل نمودار ہوتا تھا۔ دیوار سرخ پتھروں کی تھی اور اس پر سنگ مرمر کی منقش اینٹیں چسپاں کی گئی تھیں۔ یہ فن کا اعلیٰ ترین نمونہ تھیں اور گیارہ سو سال گزر جانے کے باوجود مضبوطی سے اپنی جگہ جمی ہوئی ہیں۔ نہ جانے الحمرا کے بنانے والوں نے اس کی تعمیر میں کون سے مسالے استعمال کئے تھے جو اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود شکست و ریخت کا شکار نہیں ہوئے۔ جب کہ آج کے مضبوط ترین مسالے بھی چند سو سال سے زیادہ اپنا وجود برقرار رکھنے کے قابل نہیں ہیں۔ دیوار ایک سرے سے دوسرے سرے تک تقریباً اسی میٹر طویل ہے۔

اسپین میں سب سے پہلے قدیم آئبرین آباد ہوئے تھے۔ یہ قوم وسط ایشیا سے ہجرت کر کے یورپ سے گزرتی اسپین تک پہنچی تھی۔ پھر رومن آئے، فونیقی آئے اور آخر میں وسطی یورپ سے وحشی گوتھک قبائل نے اسپین میں آ کر بسیرا کیا۔ سب سے آخر میں عرب آئے لیکن آج کے اسپین پر ہمیں سب سے زیادہ چھاپ عربوں کی ہی نظر آتی ہے۔ مقامی لوگوں کے سیاہ بال اور آنکھیں، اور کھڑے ہوئے لیکن کسی قدر موٹے نقوش عربوں کی دین ہیں۔ ہسپانیوں کی اکثریت ایسے ہی نقوش رکھتی ہے۔ یعنی افریقہ سے آنے والے عرب اور بربر ہسپانیہ کی نسلوں میں گھل مل گئے تھے اور انہوں نے ایسے رنگ و نقوش اپنا لئے جو آج ہمیں باقی اسپین سے مختلف نظر آتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اس ملک کی ثقافت اور تہذیب پر بھی عربوں اور اسلام کی گہری چھاپ ہے۔

۱۴۹۲ء میں ایک معاہدے کے تحت شاہ فرڈی نینڈ فرام آراگون اور ملکہ ازابیلا فرام کیسل غرناطہ پر قابض ہو گئے اور انہوں نے پورے جنوبی اسپین کو ایک ہی کیتھولک سلطنت کے تابع کر دیا۔ انہوں نے اس خطے میں جاری آٹھ سو سال مسلم دورِ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ میری کتاب ''ٹیلز آف الحمرا'' اسی دور کی کہانیوں، تاریخ اور عظیم الشان کارناموں پر مبنی ہے۔ اس دور نے مجھ پر جو اثرات مرتب کئے، میری کوشش تھی کہ اپنی کتاب میں وہی اثرات پڑھنے والوں پر مرتب کروں۔

امریکی مصنف واشنگٹن ارونگ اس بارے میں لکھتا ہے ''الحمرا ایک عیسائی خطے میں مسلم جزیرے کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے ہر نقش سے اور ایک ایک اینٹ سے اس

ملک کو سائنس اور فنون میں بام عروج پر پہنچا دیا تھا۔ وحشی گوتھک قوم کو..... ایک نادر آرٹ دیا تھا۔ ایک نادر، ذہین اور حوصلہ مند قوم نے اس خطے کو فتح کیا اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود آٹھ صدیوں تک اسپین پر حکومت کی۔ مجھے اور بہت سارے لوگوں کو یقین ہے اگر ان میں آپس میں انتشار نہ ہوتا تو اسپین میں آج مسلم حکمران ہوتے مگر ان کے نقوش آج بھی اسپین میں نمایاں ہیں اور ہمیشہ نمایاں رہیں گے۔''

اس زمانے میں اسپین کے اس حصے کو جس پر مسلمان حکمران تھے، اندلس یا اندلیسیا کہا جاتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا شہر قرطبہ تھا جسے مغرب کا بغداد بھی کہتے تھے۔ اس کے علم اور فنون کی ساری اسلامی دنیا بلکہ سارے یورپ میں دھوم تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز اسی شہر سے ہوا تھا۔ قرطبہ کے بعد سب سے اہم مقام غرناطہ کو حاصل رہا تھا۔ یہ مختلف اسلامی حکومتوں کا دارالحکومت رہا اور چودھویں صدی میں غرناطہ کو یورپ کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور بڑے شہروں میں سے ایک ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ جب لندن، پیرس، روم اور میونخ جیسے شہروں کی آبادی بہ مشکل ایک لاکھ تک پہنچتی تھی، غرناطہ میں آٹھ لاکھ لوگ آباد تھے۔ اس شہر کے باشندے خوشحال تھے۔ اس کے اردگرد میلوں تک ہرے بھرے شاداب باغات تھے۔ مسلمانوں نے پورے اسپین کو ایک باغ میں بدل دیا تھا۔ ان کی زرعی کاوشوں کے نمونے آج بھی پورے اسپین میں بکھرے نظر آتے ہیں۔ اسپین آج زیتون کے تیل کے بڑے برآمد کرنے والے ممالک میں سے ہے۔ یہ درخت مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے اور اسے اسپین کی نسبتاً سرد آب و ہوا میں بڑی محبت اور توجہ سے لگایا تھا۔

غرناطہ کی گہما گہمی اور رونقیں ضرب المثل تھیں۔ پوری دنیا سے تاجر اپنا سامان لے کر یہاں آتے تھے۔ اسپین یورپ کو سامان لے جانے کا ایک راستہ تھا۔ اسپین کے توسط سے ہی فرانس اور برطانیہ کے باشندے اسلام سے روشناس ہوئے تھے اور انہوں نے باقی یورپ کی نسبت جلد روشن خیالی کو اپنا لیا تھا۔ جس وقت گلیلو گیلی کو روم میں سائنسی تحقیقات کے جرم میں چرچ کی عدالت کا سامنا تھا۔ برطانیہ اور فرانس والے پوری بے فکری سے سائنسی تحقیق میں مصروف تھے۔ یہ روشن خیالی اور فکر کی آزادی انہیں مسلم اسپین سے تحفے میں ملی تھی۔ افسوس کہ خود اسپین کے مقامی عیسائی مسلمانوں سے یہ چیز حاصل نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسپین، جو مسلم دور میں یورپ کا اہم ترین ملک تھا، اب یورپ میں اس کا شمار کم ترقی یافتہ ممالک میں کیا جاتا تھا۔ مسلم فکر سے فائدہ اٹھانے والے برطانیہ اور فرانس اس سے کوسوں آگے ہیں۔

بہ ظاہر تو مسلم حملہ ایک دہشت ناک واقعہ تھا۔ مسلمان جبرالٹر کے راستے داخل ہوئے۔ ان کے عزائم ان کے سپہ سالار طارق بن زیاد کے عمل سے واضح تھے جس نے ساحل پر اترنے کے بعد اپنی کشتیوں کو آگ لگا دی تھی، اس کے ساتھ بہ مشکل چند ہزار کی فوج سامنے دشمن اور اجنبی ملک تھا اور واپسی کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں نے وہی کیا جو ایک حوصلہ مند قوم کر سکتی ہے۔ انہوں نے واپسی کا خیال ذہن سے نکال دیا اور مردانہ وار آگے بڑھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے نصف اسپین فتح کر ڈالا۔ آنے والی آٹھ صدیوں تک یہ علاقہ ان کے پاس رہا تھا۔ کمک آنے پر مسلمانوں نے باقی اسپین فتح کر لیا اور فرانس میں داخل ہو گئے۔ اس موقع پر یورپ کو صحیح معنوں میں خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اگر فرانس فتح ہو جاتا تو یورپ پر اسلامی پرچم لہرانے لگتا مگر اس موقع پر قسمت مسلمانوں کے آڑے آئی۔ ایک طرف تو طارق بن زیاد کے اپنے آقا موسیٰ بن نصیر سے اختلافات ہو گئے اور اسے معزول کر کے قید کر دیا گیا۔ اس وجہ سے فرانس میں پیش قدمی رک گئی۔ پھر بنو امیہ کی خلافت کا زوال شروع ہو گیا اور ۷۳۲ء میں چارلس مارٹیل نے ٹورس کی جنگ میں شکست دے کر مسلمانوں کو فرانس سے بے دخل کر دیا۔ اس کے بعد بھی مسلمانوں نے فرانس پر کئی بار حملہ کر کے قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ اسپین پر ان کا پرچم پوری توانائی سے لہرا رہا تھا۔

آنے والے مسلمان زیادہ تر بربر اور عرب تھے لیکن ان کی جنگی قوت افریقہ کے مشہور بربر قبیلے پر مشتمل تھی اور سیاسی قیادت عربوں کے حصے میں آئی تھی۔ اسلام اور خانہ بدوش صحرائی زندگی دونوں قوموں میں مشترک تھی۔ اسپین کے عیسائیوں کا خیال تھا کہ آنے والے مسلمان ان کے سرسبز اور شاداب ملک کو تباہ کر دیں گے اور اس کے شہروں کو کھنڈرات میں بدل دیں گے لیکن جب مسلمانوں نے اس کے برعکس کیا تو عیسائیوں کو خوش گوار حیرت ہوئی تھی۔ مسلم حکمرانوں نے عدل و انصاف کو اپنا پہلا اصول بنایا تھا اور اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔

مسلمانوں کے قافلوں کے قافلے اس نئی فتح کی جانے والی سرزمین پر آ رہے تھے لیکن انہوں نے مقامی وسائل میں حصہ بٹانے کے بجائے اپنے قوت بازو سے نئے وسائل پیدا کئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسپین کا مفلوک الحال ملک ایک خوشحال اور دولت مند ملک میں بدل گیا۔ ہر طرف شاندار شہر اور عمارتیں بننے لگیں۔ عظیم الشان درس گاہیں قائم ہوئیں۔ پورے ملک میں سڑکوں اور سراؤں کا جال بچھ گیا۔ ایک اکیلی عورت بھی پوری بے فکری سے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کر سکتی تھی اور کسی کو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ یہ سب ان لوگوں نے کیا تھا جو خود لٹیرے اور وحشی مشہور تھے۔ چمڑے کے خیموں میں رہنے والوں نے اتنی شاندار تعمیرات کیں جو ہمیشہ کے لئے ایک مثال بن گئیں۔ پتھر اور مٹی کی تختیوں پر لکھنے والوں نے سنگ مرمر اور لکڑی پر عربی تحریر کے ایسے نمونے پیش کئے جو آج بھی دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ شہری زندگی سے ناآشنا صحرا کے باشندوں نے اسپین میں مثالی قسم کے شہر بسائے۔ جن کی ٹاؤن پلاننگ کسی طرح آج کے جدید شہروں سے کم نہیں تھی۔ قرطبہ کی آبادی بیس لاکھ تھی اور اس شہر میں سترہ ہزار حمام تھے۔ پینے کے پانی اور گندے پانی کی نکاسی کا انتظام تھا۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کا مکمل خیال رکھا جاتا تھا۔ محض ایک صدی میں اسپین بالکل بدل چکا تھا۔

نویں صدی میں اسلامی اسپین کرہ ارض پر مہذب ترین خطہ تھا جس کی اپنی سائنس اور فلسفہ تھا۔ اس کے فن کار، معمار، شاعر، موسیقار اور سائنس داں منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ اس دور میں اتنی کثرت سے عظیم ترین لوگ اپنے اپنے شعبوں میں سامنے آئے۔ ذرا تصور کریں، ابن رشد اور ذکریا رازی جیسے نابغہ روزگار لوگ تھے جنہوں نے اپنے اپنے شعبوں کی صورت ہی بدل دی تھی۔ مسلمانوں نے اسپین کو صرف خوشحالی اور ایک طاقتور ثقافت ہی نہیں دی تھی بلکہ اس ملک سے ظلم اور ناانصافی کا خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا اسپین میں ایک عیسائی اور یہودی کو بھی وہی حقوق حاصل تھے جو ایک مسلمان کو، عدالتوں میں شاہ اور فقیر برابر کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود مسلمان اس ملک میں حاکم تھے۔

اسلامی حکومت کی یہ خوشبو پورے آٹھ سو سال تک اسپین میں پھیلی رہی۔ حتی کہ شمال سے جنگی عیسائی سرداروں نے مسلمانوں کو جنوب کی طرف ڈھکیلنا شروع کر دیا اور ان کے علاقوں پر قابض ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے جس مسلم علاقے پر قبضہ کیا، اپنے تعصبات کے تحت وہاں سے مسلمانوں سے وابستہ ہر یادگار کو مٹا دیا۔ بے شمار حسین تعمیرات ڈھا دی گئیں۔ یا ان کا انداز بدل کر انہیں بدہیئت بنا دیا گیا۔ اس کی ایک مثال اسپین کی مسجدیں ہیں جو گھرجا گھروں میں بدل دی گئیں اور ان کی اسلامی ساخت ختم کرنے کے لئے ان میں ایسی تبدیلیاں کی گئیں، یہ خوبصورت عمارتیں اپنی دلکشی کھو بیٹھی تھیں۔

ماضی کا عظیم شہر غرناطہ آج محض ڈھائی لاکھ کی آبادی پر مشتمل ایک خاموش اور چھوٹا شہر ہے جو سیرا نواڈا کی پہاڑیوں پر آباد ہے۔ شمالی مغرب کی طرف کی یہ ڈھلانیں بے حد دلکش منظر رکھتی ہیں اور جنوب مشرقی ڈھلانوں کی نسبت ان کا موسم معتدل سرد ہے۔ یہ جگہ کوربوڈا شہر سے کچھ ہی فاصلے پر ہے۔ کوربوڈا سے دو گھنٹے کے سفر پر غرناطہ آتا ہے۔ اس راستے پر دونوں طرف زیتون کے بے شمار باغات ہیں۔ اس علاقے کی فضا زیتون اور لیموں کی خوشبو سے مہکتی رہتی ہے۔

اس سے کوئی ایک گھنٹے کی مسافت پر

جنوب مشرق میں پیوبلوس کا قصبہ ہے، اس کی تمام عمارتوں پر سفید رنگ کیا گیا ہے اور عمارتوں کی ساخت اسلامی عربی انداز سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ اس سے مزید جنوب مشرق میں دو گھنٹے کی مسافت پر لائی کا شہر ہے۔ یہ پورا خطہ آخری غرناطہ کی سلطنت میں شامل تھا۔ فرڈی نینڈ اور ازابیلا جنہوں نے یہ شہر غاناطہ فتح کیا، اس سے اتنے متاثر تھے کہ انہوں نے اپنی آبائی ریاستوں کے بجائے مرنے کے بعد دفن کے لئے غرناطہ کا انتخاب کیا۔ اب ان کے مقبرے شہر کے وسط میں ہیں۔ گوتھک انداز میں تعمیر کئے گئے ان مقبروں کے گرد بھورے پتھروں کی دیوار ہے اور اس میں کوئی ندرت نہیں ہے۔ نہ ہی فن تعمیر کے لحاظ سے انہیں کوئی اہمیت حاصل ہے۔ پچھلی صدی تک مقامی عیسائی بڑی عقیدت سے ان مقبروں پر حاضری دیتے تھے اور شاہ اور ملکہ کو اسپین کے مسلمانوں سے نجات دلانے والے ولی تصور کرتے تھے لیکن نئی نسل میں آہستہ آہستہ یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ انہوں نے حقیقت میں اسپین کے تمدن کو تباہ کیا تھا۔

ان کے مقابر سے چند بلاک کے فاصلے پر کیتھڈرل کورل ڈل کاربون کا صحن ہے۔ یہ جگہ بھی مسجد تھی۔ اس میں داخلے کے لئے محراب دار راستہ ہے۔ اس کے پاس ہی پندرہویں صدی میں تعمیر کی جانے والی ایک سرائے ہے۔ اس کی تعمیر کے وقت غرناطہ سے مسلمانوں کا اقتدار ڈوبتے سورج کی طرح ہو گیا تھا لیکن اس کی دلکش طرز تعمیر سے قطعی ظاہر نہیں ہوتا کہ اسے ایک زوال پذیر قوم نے تعمیر کیا ہے۔ اس جگہ پر تجارتی قافلے اور تاجر ٹھہرا کرتے تھے۔ اب اس عمارت میں سیاحوں کی رہنمائی کرنے والا مرکز قائم ہے جو انہیں کتابیں اور نقشے وغیرہ فراہم کرتا ہے۔

اب ذکر ہو جائے اس عمارت کا جو غرناطہ کی وجہ شہرت ہے یعنی الحمرا کے محلات، کوئی بھی آنکھ جو اسے دیکھتی ہے اس کے حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی ہے۔ مرشی گیٹ وے برانچ کے ساتھ ہی ایک کھردری سی دیوار ہے۔ اس کے عین اوپر الحمرا کی عمارات شروع ہو جاتی ہیں۔ اس کی چھتوں پر منقش پلاسٹر کے پیس لگے ہیں اور ان پر نفیس بیلیں بنی ہیں۔ کام اتنا نازک ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ الحمرا کے صحن میں پہاڑیاں سی بنی ہیں۔ باغوں کے بیچ اوپر پہاڑوں سے آنے والا پانی سنگ مرمر کی بنی نہروں سے گزرتا ہے۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود اس پانی کی تازگی اور شفافیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔

الحمرا میں سب سے مشہور اور قابل دید جگہ لائن ہال ہے۔ یہاں پر شیروں کے مجسمے نصب ہیں جن کے منہ سے پانی کے فوارے نکلتے ہیں۔ ہال کے فرش پر شیشہ لگایا گیا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کسی جگہ شیشے کو فرش کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔ کسی زمانے میں یہ جگہ بے پناہ رونق اور چہل پہل رکھتی ہوگی لیکن اب یہاں پر اداسی اور خاموشی چھائی رہتی ہے۔

ہال کے برابر میں ہی ایک چاروں طرف سے دیواروں میں گھرے لیکن اوپر سے کھلے حصے میں ایک خالی تالاب ہے۔ یہ تالاب پانی کے لئے نہیں تھا بلکہ روایات کے مطابق ایک جدت پسند سلطان نے اس تالاب کو بنوا کر اس میں پارہ بھر دیا تھا اور اس پارے پر قالین بچھا کر وہ دوپہر کو کھانے کے بعد قیلولہ کرتا تھا۔ ذرا تصور کریں کہ تھرتھراتے پارے کے اوپر ایک بچھے دبیز قالین پر لیٹنے والا کیا لطف محسوس کرتا ہوگا۔ میں تالاب دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ دس فٹ قطر کے اس تالاب میں جو دو فٹ گہرا تھا، ڈالنے کے لئے پارہ کتنے جتن سے مہیا کیا گیا ہوگا۔ اگر تالاب سطح سے چھ انچ نیچے تک بھر گیا ہوگا تو ڈالے جانے والے پارے کا وزن کم از کم پچاس ساٹھ ٹن تو ہوگا۔ اتنا پارہ تو دنیا کے تمام تھرمامیٹروں میں بھی استعمال نہیں ہوتا ہے۔

سفیروں والے ہال کی اونچائی تین منزلوں کے برابر ہے۔ اس کی سنگ مرمر سے بنی دیواریں ساری کی ساری قرآنی آیات کی خطاطی کے نمونوں سے بھری ہوئی ہیں۔ دیواروں میں جابجا منقش لکڑی سے بنی ہوئی گرلز ہیں جنہیں اب حفاظتی نقطہ نظر سے شیشے کی کھڑکیوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس سے ان کا حسن متاثر ہوا ہے لیکن لکڑی کے کام کے اس نادر نمونے کو آنے والی نسلوں تک محفوظ رکھنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہے۔ یہی تاریخی ہال

ہے جہاں آج سے پانچ سو دس سال پہلے شاہ ابوعبداللہ نے شاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کے ساتھ معاہدے پر دستخط کئے تھے جس کی رو سے غرناطہ کی آخری اسلامی سلطنت بھی عیسائیوں کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ اس سے چند مہینے پہلے ہی ملکہ ازابیلا نے سرکاری خرچ پر کرسٹوفر کولمبس کو مغرب کے سفر پر روانہ کیا تھا اور اس نے امریکا دریافت کرلیا تھا۔ اسی تاریخی سال میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے ایک حکم نامے پر دستخط کئے تھے۔ جس کے مطابق عیسائیت قبول نہ کرنے والے مسلمانوں اور یہودیوں کو اسپین سے جلاوطن کردیا جائے گا۔

یہ فرق تھا اس وقت عیسائیت اور اسلام میں، جب مسلمان آئے اور انہوں نے لڑکر پورا اسپین فتح کرلیا۔ وہ اگر چاہتے تو اسپین کے عیسائیوں کو غلام بنالیتے یا ان پر جبراً اپنا مذہب مسلط کردیتے۔ مگر اس کے بجائے انہوں نے اسپین کے لوگوں کو پہلے سے جاری جبر سے نجات دلا کر انہیں امن وانصاف مہیا کیا۔ مسلم حکمراں جب اقتدار کی مسند پر قدم رکھتے تھے تو سب سے پہلے عوام کو انصاف مہیا کرنے کا وعدہ کرتے تھے۔ اس کے برعکس جب عیسائیوں نے اسپین پر تسلط حاصل کیا تو انہوں نے روایتی تعصب سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں اور یہودیوں کا جینا حرام کردیا۔ حالانکہ فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے جس معاہدے پر دستخط کئے تھے، اس میں مسلم عوام کے جان ومال اور مذہب کی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی۔ انہوں نے معاہدے سے پھر کر خود کو تاریخ میں بدنام کرلیا۔ ایک تحریری معاہدے سے پھر جانے والے حکمرانوں کی کشادہ روی اور رواداری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان تنگ نظر حکمرانوں نے چشم زدن میں ایک ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ ملک کو واپس قرونِ اولیٰ کے دور میں پہنچادیا تھا۔

آج الحمرا کے اوپر اسپین کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس کے برابر میں یورپی یونین کا پرچم ہے۔ جس کا اسپین رکن ملک ہے۔ اس پرچم کے نیلے پس منظر میں ایک سنہری ستارہ نمایاں نظر آتا ہے سب سے آخر میں اندلس کا پرچم ہے۔ سفید اور سبز رنگ مسلم عوام اور سفید رنگ دوسرے مذاہب کے لوگوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ پرچم نئی نسل میں پرانے دور کے بارے میں پیدا ہونے والے تجسس کی نشاندہی کرتا ہے۔

اسپین کا یہ دور گزر چکا ہے اور اب اس کی چند نشانیاں ہی اس ملک میں بکھری نظر آتی ہیں۔ سولہویں صدی کے وسط تک اسپین میں ایک بھی مسلمان باقی نہیں رہا تھا۔ سب یا تو اسپین سے چلے گئے تھے یا مارے گئے تھے۔ لیکن ان میں بڑی تعداد ایسے مسلمانوں کی بھی تھی جنہوں نے جبر کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے عیسائیت کو قبول کرلیا۔ ان میں سے بہت سارے اندرونِ خانہ اسلام پر قائم رہے لیکن جیسے جیسے یہ لوگ گزرتے گئے ان کی نسلیں بھی عیسائیت کے روپ میں ڈھلتی چلی گئیں۔ حتی کہ اس ملک سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ گیا۔ بیسویں صدی کے آغاز تک یہی صورت حال رہی تھی۔

چار صدیوں بعد اس ملک پر قدم رکھنے والے اوّلین مسلمان ایک بار پھر افریقہ کے عرب خطے سے آئے تھے لیکن اس بار یہ حملہ کرنے نہیں بلکہ بہتر مستقبل کی تلاش میں آئے تھے۔ ان میں خاص طور سے مراکش اور الجزائری نمایاں ہیں۔ ہسپانویوں کا اسلام یا مسلمانوں سے تعصب کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جس زمانے میں یورپی طاقتیں مسلم ممالک کی بندربانٹ میں مصروف تھیں، اسپین نے کسی مسلم ملک کا رخ نہیں کیا۔ اس کے بجائے ہسپانوی جہازوں میں بھر بھر کر جنوبی اور شمالی امریکا جاتے رہے لیکن انہوں نے اپنے ملک کے علاوہ کسی افریقی ملک کا رخ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

ہسپانویوں سے زیادہ وطن بیزار قوم شاید ہی کوئی ہو۔ آج یہ حال ہے کہ اسپین کی آبادی بہ مشکل چار کروڑ ہے لیکن صرف امریکا میں آٹھ کروڑ ہسپانوی نژاد باشندے آباد ہیں۔ میکسیکو کی تقریباً ساری ہی آبادی ہسپانوی ہے۔ ارجنٹائن، چلی اور برازیل کی آبادی کا بڑا حصہ ترک وطن کرکے آنے والے ہسپانوی افراد پر مشتمل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اسپین سے باہر آباد ہسپانوی نژاد باشندوں کی تعداد اسپین کی کل آبادی سے کوئی سات گنا زیادہ ہے۔ شاید

ہی کسی اور ملک کے لوگ اتنے زیادہ اپنے وطن سے باہر پائے جاتے ہوں۔ اس معاملے میں صرف انگریزی ہی ہسپانویوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ میں نے بہت غور کیا کہ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ ہسپانوی اپنے وطن میں خود کو اجنبی محسوس کرتے ہیں۔ ان کے ملک پر اسلامی دور کی چھاپ نمایاں ہے اور سابقہ نسلیں اسی چھاپ سے گہری نفرت کی بنا پر ترک وطن کرتی رہی ہیں۔ ممکن ہے اس کے معاشی اسباب بھی ہوں لیکن میرے خیال میں بنیادی وجہ یہی تھی۔

جنگ عظیم کے بعد جب شمالی افریقہ کے ممالک میں آزادی کی لہر آئی اور یکے بعد دیگرے اسلامی ممالک آزاد ہوئے تو اسپین میں مسلمانوں کی آمد میں اضافہ ہوا۔ اب اسپین میں ان کی تعداد تین سے پانچ لاکھ کے درمیان ہے اور اس تعداد میں ہر سال دس فیصد کے حساب سے اضافہ ہورہا ہے کیونکہ شمالی افریقہ کی طرف سے قانونی اور غیر قانونی امیگرینٹ بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ صنعتی ترقی کی وجہ سے کارکنوں اور مزدوروں کی مانگ میں اضافہ ہوا ہے اس لئے خود اسپین کی حکومت آنے والوں کی حوصلہ افزائی کررہی ہے۔

اسپین میں آنے والے مسلمانوں نے تیزی سے خود کو ایک الگ اور نمایاں کمیونٹی میں ڈھال لیا ہے جس کا تشخص اسلامی ہے۔ یہ زیادہ تر جنوبی اسپین میں آباد ہیں۔ جہاں انہیں اپنی ثقافت اور تہذیب محسوس ہوتی ہے۔ کارکنوں کی اکثریت زیتون کے باغات میں کام کرتی ہے۔ بے شمار مراکشی آپ کو جنوبی اسپین کی بندرگاہوں اور صنعتی علاقوں میں مصروف عمل نظر آئیں گے۔ کئی مسلمانوں نے محنت اور لگن سے اسپین میں اعلیٰ مقام حاصل کرلیا ہے۔ اب یہ باغات کے مالک ہیں، صنعتیں چلارہے ہیں اور ڈیپارٹمنٹل اسٹورز قائم کررکھے ہیں۔ منظم ہونے کے بعد ان مسلمانوں نے سب سے پہلے اپنی ثقافت اور تہذیب کی حفاظت کے لئے کام کیا۔ انہوں نے مسجدیں اور دینی ادارے قائم کئے۔ کورڈوبا میں ایک عظیم سنہری مسجد تھی جسے روایت کے مطابق کیتھڈرل میں بدل دیا گیا تھا۔ اب مسلم کمیونٹی نے اسی جیسی ہی ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ اس شہر میں اسلامی علوم کی تعلیم کے لئے اسلامک یونیورسٹی قائم کی گئی ہے۔

غرناطہ کے پاس ہی مغرب میں پلازانواڈا کا شہر ہے جس میں اسلامی طرز ثقافت جھلکتی ہے۔ اس کے مکانات دوسری عمارتیں اسلام آرکیٹکچر کی جھلک لئے ہوئے ہیں۔ یہاں بھی افریقہ سے آنے والے بے شمار مسلمان آباد ہیں۔ ان کے اثر سے پلازانواڈا اسلامی شہر کا منظر پیش کرنے لگا ہے۔ خاص طور سے اس کی جامع مسجد قدیم عرب اور ہسپانوی طرز تعمیر کا شاندار نمونہ ہے۔

اسپین میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے رجحان کی نشاندہی مسجدوں کی سرعت سے بڑھتی تعداد کرتی ہے۔ پچھلے دس برسوں میں پورے اسپین میں سو سے زائد مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔ ان میں سے اکثر کے ساتھ اسلامک سینٹر بھی ہیں جہاں خاص طور سے بچوں اور غیر مسلم افراد کو اسلام سے روشناس کرانے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ پورے اسپین میں مسجدوں کی تعداد دو سو سے اوپر ہے اور یہ سب کی سب بیسویں صدی میں تعمیر کی گئی تھیں۔ جب کہ اسپین میں نئے بننے والے چرچ کی تعداد اس سے کہیں کم ہے۔ گویا اسپین ایک بار پھر اپنے اسلامی تشخص کی طرف لوٹ رہا ہے۔ اہم بات ہے کہ یہ سب بغیر کسی تہذیبی ٹکراؤ کے بغیر ہورہا ہے۔

اسلامی معاشرے میں امام کی اہمیت مرکزی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ مذہبی ہو یا معاشرتی۔ ایک نئی رپورٹ کے مطابق اسپین میں مسلمانوں کو منظم کرنے والے یہی امام ہیں۔ ان کی اکثریت عرب ممالک سے تعلق رکھتی ہے۔ انہوں نے مسجدوں کے ساتھ بے شمار تعلیمی ادارے قائم کئے ہیں۔ اپنے اخلاق اور لگن کی وجہ سے یہ دولت مند عرب ممالک سے کافی امداد بھی حاصل کرلیتے ہیں۔ خاص طور سے سعودی عرب اور لیبیا اس معاملے میں اسپین کے مسلمانوں کی دل کھول کر مدد کررہے ہیں۔

اسپین کے کسی بھی ملک کے مقابلے میں اسپین میں مسلم احیا کی رفتار کہیں زیادہ تیز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان محسوس کرتے ہیں اسپین ان کا ملک تھا جوان سے

چھین لیا۔ اسپین کے ایک اسلامک اسکالر (مسلمان نہیں) برنارڈ لویس نے کہا ''میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان اسپین کو واپس حاصل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں لیکن جنگ سے نہیں، بلکہ محبت سے۔''

میں نے الحمرا بے شمار بار دیکھا اور جتنی بار دیکھا اس کی شان وشوکت سے اتنا ہی متاثر ہوا۔ الحمرا کے بارے میں واحد فکر مند کرنے والی شے وہاں آنے والے سیاح ہیں۔ حکومت سیاحوں سے الحمرا کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ اقدامات نہیں کررہی ہے جو اسے کرنے چاہئیں۔ اگرچہ الحمرا میں داخلہ ٹکٹ سے ہے جو محدود تعداد میں جاری کئے جاتے ہیں اور اوقات بھی محدود ہیں۔ اس کے باوجود اسے مزید اقدامات کی ضرورت ہے۔ سیاح ٹکٹ لینے کے بعد اندر جتنی دیر چاہے ٹھہر سکتا ہے اور ان کی نگرانی کرنے کے لئے کوئی محافظ بھی نہیں ہوتا۔ خود میں نے ایک روز ٹکٹ لیا اور شام کو جب الحمرا کے دروازے بند ہونے کا وقت آیا تو میں واپس جانے کے بجائے اندر ہی ٹھہر گیا، کسی نے مجھے چیک نہیں کیا۔ یہ ساری رات میں نے الحمرا کے عالی شان محلات میں گھومتے پھرتے گزاری۔ جہاں کبھی مسلم سلطان رہا کرتے تھے۔ رات کے آخری پہر جب میں تھک گیا تو پائیں باغ میں بنے سنگ مرمر کے تالاب کی سیڑھی پر آ بیٹھا۔ اس کے پانی پر آسمان کے ستارے چمک رہے تھے۔ اور جاں فزا خاموشی روح میں اتر رہی تھی۔

میں نے خود سے پوچھا ''کیا یہ ممکن ہے کہ اسپین کی پرانی شان وشوکت لوٹ آئے تو میرے اندر سے کسی نے جواب دیا۔ ''ہاں، ایسا وقت ضرور آئے گا۔''

نبی امیہ کی طرف سے ابن ہیرہ کے سپرد عراق کا انتظام وانصرام ہے، ابن ہیرہ نے ایک مرتبہ شیر بیشۂ استقامت، پیکر علم ومعرفت، مجسمۂ زہد وتقویٰ امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ آپ کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھ پر احسان ہوتا، فرمایا میں تم سے مل کر کیا کروں گا؟ مہربانی سے پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں، عتاب کرو گے تو میری ذلت ہے۔ تمہارے پاس جو زر ومال ہے مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ میرے پاس جو دولت ہے اس کو کوئی شخص چھین نہیں سکتا۔

ابن ہیرہ نے بعض اکابر علماء کو اپنے نظام حکومت میں شامل کر رکھا تھا۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ امام ابوحنیفہ بھی عہدۂ قضا یا خزانہ کا افسر اعلیٰ ہونا قبول فرمالیں مگر امام اعظم کا کمال احتیاط اور غایت ورع اس خدمت سے مانع تھا، صاف انکار فرمادیا، ابن ہیرہ نے قسم کھا کر کہا جبراً منظور کرنا ہوگا۔ امام کے ہم صحبت بزرگوں نے اس خدمت کی منظوری کیلئے بہت کچھ کہا مگر امام نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

''اگر بن ہیرہ کہے کہ مسجد کے دروازے گن دوں تو یہ بھی مجھ کو گوارا نہیں کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اس پر مہر کردوں؟''

ابن ہیرہ کا حکم ہوا کہ امام کو ایک سو دس کوڑے مارے جائیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی مگر امام کی استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا اور ابن ہیرہ کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔

عہد بنی عباس میں بھی یہی قضا کا عہدہ امام کے کمال تقویٰ کے لئے آزمائش کا سبب بنا تھا۔ خلیفہ منصور عباسی نے قضا کا عہدہ پیش کیا، امام نے انکار فرمایا، منصور نے قسم کھائی کہ ہم ضرور قاضی بنائیں گے۔ امام اعظم نے بھی قسم کھائی کہ میں اس منصب کو ہرگز قبول نہ کروں گا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت آپ غور نہیں فرماتے کہ امیرالمومنین قسم کھارہے ہیں۔ ارشاد فرمایا امیرالمومنین کفارہ ادا کرنے پر مجھ سے زیادہ قادر ہیں۔ اسی وقت امام کو زندان خانہ بھیج دیا گیا اور اسی میں امام کا انتقال ہوا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

اللہ اللہ یہ وہی عظیم المرتبت امام ہیں جن کے حق میں ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز میں یہ آیت پڑھی گئی۔

ولاتحسبن الله غافلاً عما يعمل الظلمون.

یعنی خدا کو ظالموں کے اعمال سے بے خبر نہ سمجھو۔

امام اعظم پر یہ آیت سن کر ایسی حالت طاری ہوئی کہ پورا بدن کانپنے لگا، زائدہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت نوافل میں ایک دن آیت وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ پر پہنچے تو بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

سہل بن مزاحم نے کہا کہ صحیح کہا: امام ابوحنیفہ کے لئے دنیا متوجہ کی گئی مگر انہوں نے توجہ نہ کی، دنیا کے قبول کرنے کے لئے ان کے کوڑے لگائے گئے مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ابتلا وآزمائش کو امام احمد بن حنبلؒ یاد فرماتے اور رویا کرتے تھے۔

مولانا سلیم اللہ زکریا، استاذ جامعہ فاروقیہ، کراچی

وہ طالب علم تھا

محمد بن سعید نے کہا:

خدا کا خوف کرو! تم تو اس بھلے آدمی کو مار ہی ڈالو گے، اس بے چارے کو اپنے سرائے سے نہ نکالو، یہ بہت دور، سات سمندر پار سے یہاں آیا ہے، اگر یہ مرگیا تو اس کا خون تم پر ہوگا۔

ہوں! یہ ''بقی'' سات سمندر پار سے آیا ہے؟

جی بالکل! میں ''بقی'' ہی کے بارے میں تم سے بات کررہا ہوں یہ میری تم سے پہلی درخواست ہے، تم میری بات مان جاؤ یہ بہت بڑے عالم اور محدث ہیں کیا ہم ان کو کسی فٹ پاتھ پر مرنے کے لئے چھوڑ دیں؟

تو میں کیا کروں، دو سال سے تو وہ فی سبیل اللہ میرے سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے، میں اس کی ہر فرمائش پوری کرنے کی کوشش کرتا ہوں اب احسان کا بدلہ یہ ہوگا کہ وہ یہاں پڑے پڑے مرجائے گا، پھر اس کی لاش میرے سرائے سے اٹھے گی تو لوگ میرے قریب بھی نہیں آئیں گے، یوں میرا کاروبار ٹھپ ہوکر رہ جائے گا۔

تم اپنے اوپر رحم کرو، اگر تمہیں اس نعمت کا اندازہ ہوجائے تو تم پوری پوری رات خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے گزار دو تم اس آدمی کی خدمت کرو مجھے امید ہے اللہ تمہیں ترقی دے گا۔

مولانا میں مسائل میں الجھا ہوا ہوں اور آپ مجھے فضائل سنائے جارہے ہیں، آپ کو اندازہ نہیں اس آدمی کی وجہ سے میری کتنی جگ ہنسائی ہورہی ہے، آئے دن لوگوں کے سامنے مجھے شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ ہر دن پو پھٹتے ہی یہ حضرت گدڑی پہنے، کشکول تھامے، لاٹھی ٹیکتے ہوئے یہاں سے نکل پڑتے ہیں اور بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ اچھا! آپ میری باتوں پر ہنس رہے ہیں۔ آپ میرا مذاق اڑارہے ہیں۔

نہیں تو! تمہیں اس شخص کی حیثیت کا ابھی تک اندازہ نہیں ہوا۔

اوہو! اس کی بھی کوئی حیثیت ہوتی ہے؟

جی بالکل! یہ اندلس کے باغات اپنے منصب اور عہدے کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں انہوں نے بغداد تک کا اتنا تھکا دینے والا سفر، کسی دوست سے ملاقات یا مال کمانے کی خاطر نہیں کیا بلکہ یہ تو یہاں علم حدیث کے حصول اور ابوعبداللہ کی زیارت کیلئے یہاں آئے ہیں۔

ابوعبداللہ کا نام سنتے ہی سرائے کا مالک نرم پڑ گیا اور اس کا چہرہ ابوعبداللہ کی عظمت اور عقیدت سے چمکنے لگا، اچانک اس کے لہجے کی درشتی وتلخی، مٹھاس میں بدل گئی اور وہ حیرت سے پوچھنے لگا۔

مولانا! کیا یہ شخص اسپین سے صرف امام احمد بن حنبل سے ملنے آیا ہے؟

عجیب! تو کیا بقی کی ملاقات امام صاحب سے ہوگئی؟ حالانکہ امام صاحب تو ''نظر بند'' ہیں، کسی سے ملاقات کی انہیں اجازت نہیں تو انہوں نے کیسی ملاقات کرلی؟

سنو! جب بقی یہاں بغداد پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے آپ کے سرائے میں اپنا سامان رکھا پھر وہ ابوعبداللہ کی تلاش میں نکل گئے یہ وہ دن تھے جب کہ حالات انتہائی خراب تھے اور امام صاحب سے کسی کو ملنے جلنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ لوگ ان کا نام لیتے ہوئے بھی گھبراتے تھے اور امام صاحب کے گھر کے آس پاس بھی کوئی نہیں جاتا تھا کہ کہیں بادشاہ کے جاسوسوں میں سے کسی کو خبر نہ ہوجائے پھر وہ تشدد کا نشانہ بن جائے۔ جب بقی کو ان حالات کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوئے اور وہ جامع مسجد کی طرف چل دیئے وہاں محدثین کے حلقے لگے ہوئے تھے جو لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دے رہے تھے وہ

چلتے رہے، مختلف حلقوں کو دیکھتے رہے یہاں تک ایک عظیم حلقے کے پاس آکر رک گئے، سب سے پہلے میں نے ان کے اجنبی لباس کی طرف توجہ کی، علیک سلیک کے بعد جب ہم تھوڑے سے مانوس ہو گئے تو انہوں نے پوچھا یہ شیخ کون ہیں؟

میں نے کہا : یحییٰ بن معین، یہ ان کا نام پہلے سن چکے تھے اور یحییٰ کوئی گم نام شخص تو تھے نہیں وہ عالم اسلام میں مشہور تھے، یہ تھوڑی دیر شیخ کے درس کے پاس آکر کھڑے رہے، جگہ ملی تو آگے بڑھے اور کہنے لگے : شیخ! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ کیا ایک اجنبی مسافر شخص چند مسائل پوچھ سکتا ہے؟ شیخ نے انہیں اجازت دے دی، اب بقی نے شیخ سے مختلف سوالات پوچھنے شروع کر دیئے، کافی دیر تک وہ شیخ سے مسائل پوچھتے رہے... اچانک آخر میں انہوں نے کہا : احمد بن حنبل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اس سوال سے گویا مجمع کو سانپ سونگھ گیا اور شیخ کے چہرے پر غم کے آثار واضح دکھائی دینے لگے، وہ تعجب سے اس مسافر کو دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں : ''احمد بن حنبل جیسے لوگوں کے بارے میں بھی پوچھا جاتا ہے؟'' ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے شیخ کچھ افسردہ اور پریشان ہو رہے ہیں لیکن ایمانی حرارت نے کام دکھایا اور انہوں نے بادشاہِ وقت اور جاسوسوں کی پروا کئے بغیر اجنبی سے کہا ''تم کہاں سے آئے ہو؟ ہم تمہیں احمد کے بارے میں بتائیں گے۔''

پھر تھوڑی دیر کے لئے وہ خاموش ہو گئے جیسے وہ کچھ سوچ رہے ہوں پھر انہوں نے ایسی جرأت وہمت سے امام صاحب کے حالات بیان کئے کہ لوگ دنگ رہ گئے کہ کہیں سرکاری اہل کاران پر ہاتھ نہ ڈال دیں، شیخ نے کہا : ''احمد بن حنبل مسلمانوں کے رہنما و مقتدا ہیں اور سب سے بہترین اور بڑے قرآن وسنت کے عالم۔''

آخر یہ اجنبی لوگوں سے پوچھتا امام صاحب کے گھر پہنچ ہی گیا۔ سرائے کا مالک اس واقعے کو سن کر دم بخود تھا، وہ حیران ہو کر کہنے لگا :

مولانا! تو آپ کے خیال میں بقی نے نظر بندی کے دنوں میں امام صاحب سے ملاقات کی ہے۔

بالکل بقی نے امام کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، امام نے دروازہ کھولا تو ایک اجنبی کو سامنے پایا، بقی نے ان کو دیکھتے ہی کہا : حضرت! میں بہت دور سے آپ سے ملنے آیا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا : خوش آمدید! بیٹا تم کہاں سے آئے ہو؟

اسپین سے۔

افریقہ سے؟

نہیں حضرت! افریقہ سے بھی دور، مجھے اپنے وطن تک پہنچنے کے لئے سمندر کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے اچھا! تم تو بہت دور سے آئے ہو بیٹا.... کیسے آنا ہوا؟

حضرت! میں آپ سے پڑھنے آیا ہوں، آپ سے حدیث رسول کی روایت کروں گا۔

لیکن جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو میں یہاں نظر بندی کے ایام گزار رہا ہوں اگر تم اس طرح میرے پاس آتے رہو گے تو سرکاری لوگ تمہیں تنگ کریں گے۔

حضرت! میں آپ سے علم حاصل کرتے ہوئے کسی اذیت وتشدد سے نہیں گھبراتا....!

لیکن بیٹا اس طرح تو مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

اب بقی گہری سوچ میں ڈوب گیا اچانک سر اٹھا کر بقی نے کہا :

حضرت! میں ہر روز گداگر کے روپ میں آپ کے دروازے پر آواز لگایا کروں گا کہ ''خدا کے لئے کچھ دے دو'' پھر آپ خیرات دینے کے بہانے مجھے گھر کے اندر بلا لیں اور مجھے حدیث پڑھا دیں....!

بشرطیکہ دوسرے طلبہ اور علماء پر ظاہر نہ کرو۔

بالکل حضرت! بقی نے تابعداری سے کہا اور گھر سے نکل آیا۔

محمد بن سعید نے سرائے کے مالک سے کہا : تو یہ شخص روزانہ بھیک مانگنے کا بہروپ بدل کر امام صاحب کے پاس جاتا اور ان سے علم حاصل کرتا اور جناب آپ یہ سمجھتے رہے کہ یہ ''بھیک منگا'' آپ کے لئے رسوائی اور ذلت کا باعث ہے..!

بقی بن مخلد.... اب یکایک سرائے کے مالک کی نگاہ میں بہت بڑا ہو گیا تھا بہت ہی بڑا... کیونکہ وہ لوگ علم کے قدردان ہوا کرتے تھے، اب وہ کمرہ جس میں بقی نے دو سال گزارے تھے، مالک کو ستاروں میں چاند کی طرح یکتا نظر آنے لگا تھا اور اس میں پڑا ہوا بقی، جو کافی دنوں سے بیمار تھا اسے بادشاہ کی مانند معزز محسوس ہونے لگا تھا، اسی بے یقینی کی کیفیت میں اس نے پوچھا : تو یہ امام احمد بن حنبل کے شاگرد ہیں؟

جی بالکل : ایک، دو دن نہیں بلکہ جب تک امام نظر بند رہے، بقی ان سے اسی طرح جا جا کے پڑھتے رہے یہاں تک کہ آزمائش ختم ہوئی اور متوکل بادشاہ بنا اور اس نے مذہب اہل سنت کو زندہ کیا اور بدعات کا خاتمہ کیا، اللہ امام صاحب کو نیک بدلہ دے انہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں، مشقتیں جھیلیں، ان سے اللہ نے ''خلق قرآن'' کے مسئلے میں وہ کام لیا جیسا کہ ارتداد کے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لیا۔ امام صاحب بقی کی بہت عزت کرتے ہیں اور وہ اکثر اپنے شاگردوں کو کہتے ہیں : ''طالب علم'' تو بقی کو کہا جاتا ہے۔

سرائے کا مالک بے تاب ہو چکا تھا وہ کہنے لگا : مولانا اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے مجھے اس شخص کی عظمت وحیثیت کے بارے میں بتایا واللہ میں بہت خوش قسمت ہوں، چلیں! بقی کے پاس چلتے ہیں۔

بقی بن مخلد اندلسی اپنے کمرے میں تنہا، درد اور بخار کی وجہ سے کراہ رہے تھے، بیماری نے ان کو بالکل ختم کر کے رکھ دیا تھا کھوکھلے بانس کی طرح ان کا جسم سوکھ چکا تھا، اپنوں سے دوری اور وطن کی یادوں نے ان کو بے حال کر دیا تھا۔

کمرے میں ایک بوسیدہ پرانا ٹاٹ بچھا ہوا تھا جس پر بقی لیٹے ہوئے تھے اس کا سر تکئے کے ساتھ ٹکا ہوا تھا، کتابیں آس پاس بکھری پڑی تھیں، جب بیماری کا زور کچھ کم ہو جاتا تو سامنے رکھی کتاب پر ایک نظر ڈال لیتے پھر درد وتکلیف میں اضافہ ہو جاتا تو آرام کرنے کی کوشش کرتے... جب یہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ بقی ایک کتاب پر جھکے، مطالعے میں مگن ہیں۔

ان دونوں کو کمرے میں آئے تھوڑا ہی وقت ہوا ہوگا کہ انہوں نے شور سا آس پاس محسوس کیا اور اس شور میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا جیسے یہ سب کچھ سرائے کے اندر ہو رہا ہو، انہوں نے کھڑکی سے جھانک کر نیچے دیکھا تو ہر طرف سر ہی سر نظر آرہے تھے تاحد نگاہ انسانوں کا سرائے کی جانب بڑھتا سیلاب جسے دیکھ کر مالک کے اوسان خطا ہو گئے وہ تیزی سے نیچے بھاگا... آخر یہ کیسا ہنگامہ ہے؟ اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچا... کہیں بادشاہ کا جلوس تو نہیں... لیکن شاہی جلوس ایسا تو نہیں ہوتا... اس نے قریب کھڑے ایک بوڑھے سے پوچھا : کون آیا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟

بوڑھے نے کہا : ابوعبداللہ ہیں، سنا ہے کہ آپ کے سرائے میں کسی بیمار کی عیادت کے لئے آرہے ہیں۔

ابوعبداللہ جو بادشاہ کے دربار میں نہیں جاتے، میرے سرائے میں آرہے ہیں، ابوعبداللہ... احمد بن حنبل... وہ خوشی کے مارے چلانے لگا پھر وہ پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے لگا... میں ان کو کہاں بٹھاؤں گا؟ ان کی کیسے خدمت کروں گا؟ لیکن لوگوں کو اس کی کوئی پرواہ ہی نہیں تھی وہ تو پاؤں کی انگلیوں پر کھڑے، آنکھیں پھاڑے امام صاحب کو ایک نظر دیکھنے کے لئے بے تاب تھے.... بازاروں سے تاجر غائب، دکانوں سے دکاندار غائب اور کسی مدرسے میں کوئی طالب علم باقی نہ رہا، سب کے سب، پیکرِ عزیمت امام احمد بن حنبل کی ایک جھلک دیکھنے بغداد کی ان تنگ وتاریک گلیوں میں سمٹ آئے تھے، جہاں سرائے واقع تھا۔

جیسے جیسے مجمع قریب آتا گیا قلم ودوات لئے طلبہ کا گھیرا ان کے اردگرد تنگ ہوتا گیا، امام صاحب جو بھی فرماتے فوراً ہزاروں قلم حرکت میں آجاتے اور ان کی بات کاغذ محفوظ کر لیتا، پورا بغداد جس میں ۲۰ لاکھ آدمی رہتے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے امام صاحب کے استقبال کیلئے امڈ آیا ہے۔

امام صاحب بقی کے کمرے میں داخل ہوئے، بقی کا پنجر جیسا جسم بستر پر پڑا تھا، انہوں نے بقی کو خطاب کر کے فرمایا :

"اے ابو عبدالرحمٰن! تمہیں ثواب کی خوشخبری سناتا ہوں، اللہ تمہارے ساتھ عافیت کا معاملہ فرمائے اور تمہیں شفا عطا فرمائے۔"

یہ دعا امام کی مبارک زبان سے نکلی اور تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو گئی۔

امام صاحب کی دعا قبول ہوئی، بقی شفایاب ہوئے اور اللہ نے اسپین کو ان کے علم و فضل کی روشنی عطا فرمائی اور لوگوں کے دل بقی کے لئے ایمان کی کھیتی بن گئے جس میں وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیج بوتے رہے۔

اس واقعے کو سالہا سال گزر گئے۔ لوگ اس عظیم دن کو یاد کرتے رہے جب ایک غریب الدیار مسافر طالب علم کی عیادت کے لئے امام صاحب سرائے میں آئے جب کہ وہ بادشاہوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ طلبہ اس سرائے میں ٹھہرنے کو اپنے لئے باعث عزت و فخر سمجھنے لگے کہ ہو سکتا ہے امام صاحب ان سے بھی ملنے سرائے تشریف لائیں۔ اس سے سرائے کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ امام صاحب البتہ نہیں آئے، پہلے کوئی بقی بن کے تو دکھائے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج ۱۳، ص ۲۹۲)

مولانا محمد ثانی حسنی

نعت

وہ حضور پاک وہ خیر البشر خیر الانام
ہم خدا کے نام کے بعد آپ کا لیتے ہیں نام

آپ ہیں ختم رسولاں، سرگروہ انبیاء
آپ ہیں عالم کے آقا، آپ کا عالم غلام

آپ ہیں شاہِ جہاں، شاہ دلاں شاہِ زمن
آپ کے دم سے مہ و سال و شب و دن صبح و شام

آپ کا پیارا تبسم، غنچہ و گل کا نکھار
آپ کا روئے منور نازش ماہ تمام

آپ کی ہر ہر ادا بیکل دلوں کی ہے بہار
آپ کا دلکش ترنم آپ کا شیریں کلام

آپ کے دم سے ہوا ہر کم نظر، عالی نظر
آپ کے دم سے ہوا ناشاد ہر دلشاد کام

دم قدم سے آپ کے ٹوٹا طلسم بولہب
مصطفائی آپ کے دم سے ہوئی عالم میں عام

آپ سے راحت ملی ہر بیکس و مظلوم کو
آپ کے دم سے ملا عورت کو عزت کا مقام

رحمتِ عالم بنا کر آپ کو بھیجا گیا
آپ کے ہیں ماہ رو آپ کے ہیں مشک فام

آپ ہیں نور سراپا، آپ ہیں خلق عظیم
آپ ہیں حسن مجسم آپ ہیں رحمت تمام

آپ نے ہم کو دکھائی راہ حق راہِ نجات
آپ نے ہم کو بتایا، ہے حلال و کیا حرام

اللہ اللہ آپؐ کا رتبہ شبِ معراج میں
انبیاء ہیں مقتدی، اور آپؐ ہیں ان کے امام

آپ کا جانا خدا کے پاس عرش پاک تک
بن کے محبوب و مقرب راز دارانہ کلام

آپؐ کی امت کو فرمایا گیا خیر الامم
آپؐ کی امت کو بخشا ہے خدا نے یہ مقام

ہیں محمدؐ اور احمدؐ آپؐ کے پاکیزہ نام
آپؐ پر لاکھوں درود اور آپؐ پر لاکھوں سلام

محترم محمد قیوم اعتصامی

جانوروں کی سریع الحسی

دنیا کے امیر ملکوں میں انسانی مسائل کی وہ کثرت نہیں ہے جو غریب ملکوں میں ہے اس لئے اکثر امیر ملکوں میں حیوانی مسائل کی طرف بھی توجہ دی جاتی ہے اور اس توجہ کا یہ نتیجہ ہے کہ حیوانی زندگی کے بارے میں ہمارے سامنے اکثر و بیشتر ایسی دلچسپ اور حیرت انگیز باتیں آرہی ہیں جن کی ہمیں پہلے خبر نہیں تھی حیوانی زندگی کی مختلف قسمیں اپنے ماحول میں اپنی علیٰحدہ علیٰحدہ دنیا آباد کئے ہوئے ہیں۔ ان کے رویئے اور عادات کے مطالعے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ بعض جانور ایسی خصوصیات رکھتے ہیں جو انسان میں نہیں ہوتیں اور بعض ایسی عجیب و غریب حسیات رکھتے ہیں جن سے انسان آگاہ بھی نہیں ہوتا اور عاری بھی ہوتا ہے۔ جانوروں کے بارے میں قدیم کہاوتیں جو ہمیں علمی ورثے کے طور پر منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں ان میں جانوروں سے متعلق بہت سی کہاوتیں بھی ہمارے سامنے آتی ہیں۔ مثلاً مان گوز یا مانگ اوز جسے ہندوستانی نیولا بھی کہتے ہیں، سانپ کو پکڑ کر کھا جاتا ہے اسی طرح اکثر رینگنے والے زہریلے جانور اس کی غذا کا حصہ ہیں۔ سانپ زمین کے اندر کتنی ہی گہرائی میں کیوں نہ چھپا ہوا ہو، مان گوز کو آن واحد میں پتہ چل جاتا ہے۔ سانپ عام قسم کا ہو یا بہت بڑا اژدہا مان گوز اسے خاطر میں نہیں لاتا۔ اژدہا اپنے بل میں پندرہ بیس فٹ کی گہرائی میں گھسا ہو مان گوز بل کے قریب سے گزرتے ہی اژدھے کی موجودگی کا پتہ چلا لیتا ہے اور اژدھے کو بل سے باہر نکالنے کے لئے زمین کو کھودنے لگتا ہے اور جب اژدھے تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تب مان گوز اور اژدھے میں دو بدو لڑائی ہوتی ہے آخر کار اژدھا مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے مان گوز اسے کچا چبا جاتا ہے اس کا جو حصہ بچ رہے وہ اپنے ساتھ اپنے دوسرے ساتھیوں کے لئے لے جاتا ہے۔ حیوانی دنیا کے سائنس دان مان گوز کی سریع الحسی کے بارے میں پتہ چلانے کی کوشش کر رہے ہیں اور مان گوز کے معدے پر زہر کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ ماہرین اس بات پر اپنے عملی مشاہدات بھی مرتب کر رہے ہیں۔

چیونٹی ایک رینگنے والا جانور ہے اس کی جسامت نہ ہونے کے برابر ہے، مگر قدرت کاملہ نے اسے ہر وصف سے بہرہ ور کر رکھا ہے۔ آنکھیں دل و دماغ قوت سماعت اور پیر غرض یہ کہ وہ باقاعدہ ایک کلیے کی حیثیت رکھتی ہے مگر اس کی ایک حس حیرت انگیز ہے وہ بارش سے گھنٹوں پہلے بارش ہونے کے امکان کی خبر رکھتی ہے اور بارش برسنے سے پہلے پہلے اپنے بل میں جا گھستی ہے ماہرین چیونٹی کی "حس آگاہی" پر برسوں سے تحقیق کر رہے ہیں کہ ایسا کیوں ہے چوہے اور بلیاں کسی نامعلوم خطرے سے بہت پہلے متعلقہ مقام سے دور نکل بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ نے وہ ایک قدیم محاورہ تو سنا ہو گا کہ "ڈوبتے جہاز کے بھاگتے چوہے" تفصیل اس محاورے کی اس طرح ہے، عام طور پر بحری جہازوں کے ان حصوں میں چوہے ضرور رہتے ہیں جن میں خوراک یا اجناس لادی گئی ہوں اور یہ چوہے ان میں قیام رکھتے ہیں اور جب کوئی بحری جہاز خطرے سے دوچار ہونے والا ہو یا ڈوبنے کے امکان کا سامنا کر رہا ہو تو چوہے جہاز کے تہہ خانے سے نکل کر عرشے پر آجاتے ہیں۔ اسی طرح کسی ناگہانی خطرے سے بہت پہلے مور اور کوے بے چینی کے ساتھ بولنے لگتے ہیں یا اِدھر اُدھر پرواز کرنے لگتے ہیں۔

وفاقی جمہوریہ جرمنی کے شہر میونخ کے ممتاز ماہر ڈاکٹر کارمن روہر باخ عادات فطرت کے مطالعے پر گزشتہ دس برسوں سے تحقیق کر رہے ہیں ان کے ساتھ سویڈن

کے ایک ماہر حیاتیات آرزین ایڈبرگ بھی ہیں انہوں نے گزشتہ دنوں اپنے طویل مشاہدے ومطالعے کو تحقیقی آئینے میں بغور دیکھا اور کچھ نتائج کو شائع بھی کیا ہے ڈاکٹر کارمن اور ایڈبرگ نے تحقیقی کاموں کے دورخ متعین کئے تھے کہ رینگنے والے اور چلنے پھرنے والے جانوروں کی حقیقی جسامت، ان کا اظہار نمو اور ان کی جبلتوں کا سراغ لگانا۔ ہمارے لئے یہ بات بڑی دلچسپی کا باعث بنی کہ جانور بھی بعض ایسی جبلتیں رکھتے ہیں جو انسان میں بھی ہوتی ہیں مگر ان کے انسانی اور حیوانی استعمال میں بہت فرق ہے ہم اس فرق کو اس طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ اکثر جانور اپنے مخالف نوع کے خلاف لڑنا پسند نہیں کرتے جب کہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ آپس کا لڑنا ایک غیر معمولی بات ہے۔ برفانی ریچھ اکثر مچھلی تو اکٹھے مل کر پکڑتے ہیں مگر کھانے کے مسئلے پر ان میں اکثر لڑائی ہو جاتی ہے۔ مگر یہ لڑائی طوالت نہیں پکڑتی دو ریچھ اپنے پچھلے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر چنگھاڑنے لگتے ہیں اور اگلے دونوں پنجوں سے ایک دوسرے پر جھپٹا بھی مارتے ہیں مگر جھپٹا کم مارتے ہیں جب کہ زیر حلقوم چنگھاڑنے کا عمل زیادہ کرتے ہیں اور یہ لڑائی کسی تیسرے ریچھ کی مداخلت پر دھیمی بھی پڑ سکتی ہے یا ختم بھی ہو سکتی ہے۔ ختم ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ دونوں ریچھ سیدھا کھڑے ہونے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ جلد ہی چاروں پنجوں کے بل آنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

چیونٹی کی جسامت تو ذرا سی ہے اس کی جسمانی اور حیاتی زندگی کے مطالعے کے لئے محدب عدسے کی مدد سے اس کی نقل وحرکت پر مسلسل نگاہ رکھنا پڑتی ہے۔ چیونٹی کے بارے میں ایسے ہی ایک مطالعے سے بعض عجیب وغریب پہلو سامنے آئے غصے کی حالت میں اس کی دُم والا حصہ بڑا ہو جاتا ہے۔ باقی جسم معمول کے مطابق رہتا ہے۔ چیونٹی کی متعدد قسمیں ہیں اس کے لئے دنیا بھر میں دو نام آنٹ اور پیسٹل استعمال کئے جاتے ہیں۔ البتہ مختلف ملکوں میں پائی جانے والی چیونٹیاں مختلف حالتیں اور علامتیں رکھتی ہیں۔ اکثر قسمیں بے ضرر ہوتی ہیں۔ مگر دنیا میں پائی جانے والی جو دو تین قسمیں زہریلی ہیں وہ ہلاکت آفریں زہر رکھتی ہیں۔ اسی طرح بعض قسم کی چیونٹیاں ایک خاص قسم کی رفتار سے چلتی پھرتی ہیں اور ان میں کبھی کمی بیشی دیکھنے میں نہیں آتی۔ بعض ہر وقت تیز رو ہوتی ہیں اور بعض سست رو، اکثر کا رنگ سیاہ بھورا یا انتہائی سرخ ہوتا ہے۔

چمگادڑ کا سائنس دان ایک طویل مدت سے خصوصی مطالعہ کر رہے ہیں جس کی خصوصی وضع قطع اور آنکھوں اور بازوؤں میں غیر معمولی خصوصیات ہیں جو ان کی مرکز توجہ ہیں۔ اگرچہ اندھیرے میں چمگادڑ کے علاوہ الو اور بلی بھی یکساں اور واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں مگر انتہائی گھپ اندھیرے میں چمگادڑ جس طرح دور دور تک نگاہ دوڑا سکتی ہے اس معاملے میں چمگادڑ کا کوئی جانور ہمسر نہیں ہے۔ عام لوگوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ریڈار کے لوئین موجد نے خبر گیری کے خفیہ طریق کار کو نہایت دور سے دیکھنے کی تکنیک چمگادڑ کی آنکھوں کے مسلسل مطالعے کے بعد اخذ کی تھی چمگادڑ کی آنکھ وسعت منظر پر جس کمال سے حاوی ہے ریڈار ہو بہو اس کی پیروی کرتا ہے دنیا میں چمگادڑ کی بے شمار قسمیں پائی جاتی ہیں جہاں چمگادڑ کی اس قسم کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے ویمپائر، آفت چمگادڑ یا خونی چمگادڑ بھی کہا جاتا ہے اس کے بارے میں صدیوں سے زبان زد بات چلی آرہی ہے کہ وہ انسانی خون چوستی ہے بعض ممالک کے لوگوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ چمگادڑ کی رفاقت کو چڑیلیں عزیز رکھتی ہیں۔

❖❖

بقیہ...... دینی تعلیم کی اہمیت وفضیلت

نے دیا ہے بلکہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں جو شخص محنت کرتا ہے خواہ مومن ہو یا کافر، حق تعالیٰ شانہ اسے اس کی محنت کا ثمرہ ضرور دیتے ہیں کہ ''من جد وجد'' کی مثل مشہور ہے اور ایسی محنت وجد وجہد سے دین اسلام نے کب روکا ہے؟ ہاں دنیوی ترقی سے مراد ہی اگر بے پردگی و بے حیائی وفحاشی وعریانی وغیرہ ہے تو بلاشبہ دین اسلام اس نام نہاد ترقی کی شدید مذمت کرتا ہے اور اسے ملعون ومردود قرار دیتا ہے کہ یہ سب چیزیں تباہی وفساد کی جڑ ہیں نہ کہ ترقی وعظمت کی۔ ●●

جہیز سماج کا ناسور

عبدالمعید رشیدی
مغربی بنگال

صدیوں سے ہندوستان رسم ورواج کی پابندیوں میں جکڑا رہا ہے۔ مذہب کی اندھی تقلید اور جہالت کے تاریک بادل بالخصوص عورتوں کے سر پر منڈلاتے رہے ہیں۔ سماج کی بے رحم بجلیاں معصوم وبے گناہ عورتوں پر گرتی رہی ہیں۔ کبھی یہ رسم ستی بن کر سیکڑوں معصوم لڑکیوں کے لئے ہلاکت کا سبب بنی تو کبھی ذات پات اور چھوت چھات کے نام پر غارت گری کا بازار گرم کرتی رہی۔

سماج نے جب ترقی کے زینہ پر قدم رکھا تو برائیاں رفتہ رفتہ ختم ہونے لگیں لیکن بری رسموں کے خاتمہ کے باوجود ایک اور بڑی رسم جہیز نے اپنا سر اٹھایا جو آج کے اس ترقی یافتہ سماج کا کینسر ہے۔

سمجھا کہ اس سفر کا یہیں خاتمہ ہوا
آگے چلے تو اور کئی موڑ مل گئے

شادی تو ایک پاک رشتہ ہے، دو دلوں اور خاندانوں کے درمیان پیار ومحبت اور ایثار کی سنگ بنیاد ہے لیکن جہیز اس عظیم اور روحانی رشتہ کو نفرت اور دشمنی کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اس رواج (Custom) کو ہندوؤں سے اپنایا ہے کیونکہ بیٹی کو جہیز دینا ایک ہندوانہ رسم ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی حضرت علیؓ سے شادی کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک چکی، کھجور کے پتوں کا تکیہ اور غالباً پانی کا مٹکا اور ایسی چند اشیاء دیں لیکن یہاں انتہائی اہم بات یہ ہے کہ کیا یہ تمام چیزیں انہوں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں دیا تھا؟ نہیں، دراصل حضرت علیؓ کے والد گرامی کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کفیل تھے اور جب انہوں نے حضرت علیؓ کی شادی اپنی پیاری صاحبزادی سے فرمائی تو حضرت علیؓ کے کفیل ہونے کی وجہ سے اپنی بیٹی کے گھر کے آبادی کے ذمہ میں اس کا ہاتھ بٹایا نہ کہ اپنی بیٹی کو جہیز دیا جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ رقم جس سے یہ تمام تر سامان خریدا گیا وہ حضرت علیؓ کی زرہ فروخت کرنے کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح مال حضرت علیؓ کا خرچ ہوا تھا نہ کہ لڑکی کے والد گرامی کا۔ اس واقعے کی تمام تفصیلات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

آیئے اب ذرا حالات حاضرہ پر نظر ڈالیں، آج کے دور میں شادی کیا ہوئی ایک اچھی خاصی تجارت بن چکی ہے اور اس مارکیٹ میں ہر شخص خود کو نیلام کر رہا ہے اور جہاں زیادہ بولی لگائی جاتی ہے وہاں وہ خود کو فروخت کر دیتا ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ایک بدترین قسم کا سماجی جرم ہے جو بربادئ تمدن کا بھی باعث ہے اور یہ کردار رحمٰن کے بندوں کا نہیں بلکہ شیطان کے بندوں کا ہے جس کا سابقہ ادوار میں کوئی تصور تک نہیں تھا۔ یہ تمام چیزیں عصر جدید کی پیداوار (Product) ہیں۔ اس قبیح اور مذموم رواج کے باعث ہر سال ہزاروں لڑکیاں جہیز کی منحوس دیوتا کی بھینٹ چڑھائی جارہی ہیں۔ اور معاشرہ اس خوفناک مرض میں مبتلا ہو کر ایک بخار زدہ شخص کی طرح پھنک رہا ہے بلکہ اس کی آگ میں جل کر بھسم ہو رہا ہے اور یہ جنگل کے پھیلتے آگ کی طرح پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ ہم سوچ سکتے ہیں کہ ایسے معاشرے میں غریب لڑکیاں کیا کر سکتی ہیں؟ سوائے اس کے کہ اپنی گردن میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لیں، زہر کھا لیں یا پھر ٹرین کے نیچے پٹریوں پر آجائیں۔ بعض اوقات تو نئی نویلی دلہنوں کو جہیز نہ لانے کے جرم میں تڑپا تڑپا کر زندہ

بقیہ...... مسلمانوں کے زوال کے

جلادیا جاتا ہے۔ یہ ایک دو نہیں بلکہ ایسے سیکڑوں واقعات ہیں۔ اس سلسلے میں راقم الحروف ان دولت کے پجاریوں سے صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہے۔

پھر بہو جلانے کا حق تمہیں پہنچتا ہے
پہلے اپنے آنگن میں بیٹیاں جلادینا

خودکشی شریعت کی رو سے حرام ہے مگر اس حرام فعل پر اکسانے والا وہ ظالم معاشرہ ہے جو انتہائی حریص اور لالچی بن کر انسانیت کے قتل عام پر تلا ہوا ہے۔ غرض آپ علمی، عقلی اور شرعی کسی بھی حیثیت سے غور کیجئے جہیز کی رسم انتہائی دل آزار اور بھیانک معلوم ہوگی۔ لہٰذا جن افراد سے معاشرے کو خطرہ لاحق ہے اور جن لوگوں نے فرمائشی جہیز کو اہمیت دے رکھی ہے، ایسے ہی لوگوں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں :

”کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشی کے لینا جائز نہیں“۔

لیکن آج کا نظام معاشرہ تو یہ ہے کہ جبراً جہیز لیا جاتا ہے۔ اس لئے جن لوگوں کا ضمیر اب بھی مردہ نہیں ہوا ہے وہ ذرا سوچیں کہ دین واخلاق کے تقاضوں کو فراموش کرکے اور اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر کدھر جارہے ہیں۔ انہیں دین واخلاق اور ملک وملت کا مفاد عزیز ہے یا چند سکے عزیز ہیں، جن کی جھنکار پر وہ اپنا دین وایمان اور ضمیر تک کا سودا کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ یہی وہ خامیاں ہیں جن کے بھیانک اثرات سے آج خاندان ٹوٹ رہے ہیں اور معاشرہ تباہ ہورہا ہے۔ فرمائشی جہیز آج معاشرے کا واقعی ایک رستا ہوا ناسور اور تباہی کی علامت بن چکا ہے۔ بقول شاعر ؎

لعنت ہے یہ جہیز مکمل گناہ ہے
اس رسم سے سماج کا ڈھانچہ تباہ ہے
کتنی کنواری لڑکیاں گھٹ گھٹ کے مرگئیں
صدیوں پرانا گاؤں کا پیپل گواہ ہے

••

مقام ہی کو ان کی نگاہ سے اوجھل اور مرکزی صلاحیت ہی کو نکما کردیا ہے جس سے لازماً وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جو آج ہمارے سامنے ہے۔

روشن اس ضوء سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام

شیطان کا منصوبہ

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

مختصر طور پر یہ وہ چند اسباب ہیں جن کی بنا پر مسلمان روز افزوں زوال کا شکار ہیں اگر ان اسباب کا ازالہ نہ کیا گیا اور ہماری قوم کے قائدین اس طرف متوجہ نہ ہوئے تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس قوم کا مستقبل کیا ہوگا؟ تقدیر پر ایمان اپنی جگہ مگر کوئی بھی انقلاب اچانک عدم کی گود سے برآمد نہیں ہوجاتا بلکہ اس کے لئے علم وفن اور حرکت وعمل کی ضرورت ہوتی ہے، ظاہری طور پر مسلمان اس وقت تک خودکفیل اور باعزت نہیں بن سکتے جب تک کہ وہ خود علم وعقل کے تمام شعبوں پر حاوی نہ ہوجائیں، غیروں کی غلامی چھوڑ کر خودمختار نہ بننا چاہیں اور راحت پسندی اور تعطل کا راستہ ترک کرکے محنت وجفاکشی کی راہ اختیار نہ کریں، کیونکہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

❖❖

ماں کی تربیت کا اثر

جب میں چھوٹا تھا اور صاحب شعور نہیں ہوا تھا تو میری والدہ جو بڑی پرہیزگار، متقی صالحہ اور عابدہ تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے قصے اور کہانیاں سنایا کرتی تھیں جو غیر شعوری طور پر دل نشین ہوتی گئیں اسی وقت میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں جب پڑھ کر فارغ ہوں گا اور اللہ تعالیٰ نے صاحب قلم بنایا تو اسی کو اپنا موضوع بناؤں گا، اس موضوع سے میری والہانہ دلچسپی تمام تر ماں کی تربیت کا فیض ہے۔

مشہور سیرت نگار اور اسلامی مصنف

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

بی بی سی کے سابق ڈائرکٹر جنرل

کے بیٹے نے قبول اسلام کا اعلان کردیا

لندن، بی بی سی کے ایک سابق ڈائرکٹر جنرل لارڈ برٹ کے بیٹے نے گزشتہ ماہ اعلان کیا کہ وہ کئی سال پہلے اسلام قبول کرچکے ہیں اور ان کا اسلامی نام یحییٰ برٹ ہے۔ مسٹر یحییٰ برٹ کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں برطانوی اخبارات میں کئی مرتبہ قیاس آرائی کی گئی تھی لیکن مسٹر برٹ نے اس بارے میں خاموشی اختیار کررکھی تھی۔

گزشتہ ماہ انہوں نے نہ صرف اپنے مسلمان ہونے کی تصدیق کی بلکہ برطانیہ میں انگریز مسلمانوں کے بارے میں اپنی تحقیقی رپورٹ بھی شائع کی۔ اس رپورٹ کے مطابق برطانیہ میں انگریز مسلمانوں کی تعداد ۱۴ ہزار دو سو ہے۔ مسٹر یحییٰ برٹ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے انہوں نے کہا کہ اگر امریکی سیاہ فام لیڈر میلکم ایکس کی طرح کوئی اہم انگریز شخصیت اسلام قبول کرلے تو اسلام قبول کرنے والے انگریزوں کی تعداد میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

سنڈے ٹائمز نے انگریزوں کے قبول اسلام کے واقعات پر ایک طویل رپورٹ شائع کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک سابق برطانوی وزیراعظم ہربرٹ اسکیوتھ کی پڑپوتی، اعلیٰ سرکاری افسر اور ان کی اولادیں اور نوابوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کرلیا ہے اور اسلامی عقائد پر سختی کے ساتھ عمل کررہے ہیں۔

برطانیہ کے سابق وزیر صحت فرینک ڈوبسن کے بیٹے بھی اسلام قبول کرنے والوں میں شامل ہیں۔ ان کا اسلامی نام احمد ڈوب ہے۔ ان کو انگریز مسلمانوں کی تنظیم مسلم کونسل آف برطانیہ کی ایک کمیٹی کا ممبر نامزد کیا گیا ہے۔ سنڈے ٹائمز کے مطابق مسٹر یحییٰ برٹ نے پہلی مرتبہ برطانیہ میں انگریزوں کے قبول اسلام کے بارے میں ٹھوس اعداد وشمار فراہم کئے ہیں۔ اخبار کے مطابق انگریز نومسلموں کی اکثریت سابق سفارت کار اور مصنف چارلس لی گئے ایٹن کی اسلامی تحریروں سے متاثر ہوکر مسلمان ہوئی ہے۔

پاکستان کی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان اور تحریک انصاف پارٹی کے چیئرمین عمران خان کی سابق گرل فرینڈ کرسٹینا بکر نی بھی اسلام قبول کرلیا ہے۔ بکر نے بتایا کہ میرے دل میں اسلام سے محبت کا بیج عمران نے بویا تھا۔ بکر نے عمران سے دوستی ختم ہونے کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اسلام سے متعارف ہونے کا موقع عمران کی دوستی کی وجہ سے ملا۔

سنڈے ٹائمز کے مطابق سابق برطانوی وزیر اعظم ہربرٹ اسکیوتھ کی پڑپوتی ایما کلارک سرے کی ایک مسجد کا باغ لگوا رہی ہیں۔ اخبار کے مطابق ملکہ ایلزبیتھ نے بکنگھم محل میں کام کرنے والے مسلمانوں کے لئے جمعہ کے دن کام کے اوقات میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے وقفہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔

برطانیہ کے ائمہ مساجد اور مساجد کونسل کے چیئرمین ذکی بدادی نے کہا ہے کہ اعلیٰ انگریز شخصیات کے اسلام قبول کرنے سے برطانوی معاشرہ میں اسلام کے بارے میں غلط نظریات اور خوف وہراس ختم کرنے میں مدد مل رہی ہے انہوں نے کہا کہ بعض عناصر نے اسلام کو بلاوجہ اور بلاثبوت انتہا پسندی اور دہشت گردی سے جوڑ دیا تھا۔ جس کی وجہ سے برطانوی معاشرہ اسلام سے خوفزدہ ہوگیا تھا۔

❖❖